علماءِ اہلِ حدیث
بستی و گونڈہ

تالیف

ڈاکٹر بدر الزماں محمد شفیع نیپالی

ناشر

ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر، یوپی

سول لائن تتری بازار، کھجوریہ روڈ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا
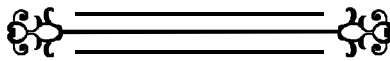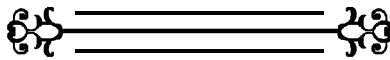
مؤلف
ڈاکٹر بدرالزماں محمد شفیع نیپالی

ناشر
ضلعی جمعیت اهل حدیث
سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

کتاب: .... علماءاہل حدیث بستی وگونڈہ
مؤلف: .... ڈاکٹر بدرالزماں محمد شفیع نیپالی
طبع دوم: .... دسمبر ۲۰۲۳ء
صفحات: ۱۸۴
تعداد: ۱۰۰۰
قیمت: .... ۲۰۰؍روپے
کمپوزنگ: .... عتیق الرحمٰن سراجی

ضلعی جمعیت اہل حدیث،سول لائن تتری بازار سدھارتھ نگر
یوپی،انڈیا پن کوڈ نمبر: 272207
رابطہ نمبرات:
9450550886
9453117451

فہرست

عرض ناشر

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه، سيد الأنبياء والمرسلين نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين و بعد:

دین اسلام جس کی ابتداء تمام انسانوں کے دادا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اسی اسلام کی دعوت وتبلیغ اور ربانی مشن کو فروغ دینے کے لیے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کی طرف سے بھیجے گئے اور آخر میں آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اپنے تیئیس سالہ دور نبوت میں اس کی آبیاری کرتے رہے، اس کی طرف دعوت دیتے رہے، اس کے لیے جتنا کچھ اور جو کچھ کرنا پڑا کرتے رہے بالآخر آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں اس دین کی تکمیل ہوگئی اور حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں رب ذوالجلال کی جانب سے یہ مژدۂ جانفزا آپ ﷺ اور پوری امت کو سنا دیا گیا کہ: ﴿.....**الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا**.....﴾ (المائدة:٣)

یعنی یہ دین اب مکمل ہوگیا، اب اس میں کچھ حذف واضافہ نہیں ہوسکتا ہے، اب صرف اس دین کی تبلیغ اور اس پر عمل کا مشن رہ گیا ہے اور یہ کام علمائے امت کے سپرد کیا گیا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''العلماء ورثة الأنبياء'' کہہ کر علماء کو انبیائے کرام کا وارث قرار دیا۔

چوں کہ نبیوں کا زریں سلسلہ آپ ﷺ پر تمام ہوگیا اور اب رہتی دنیا تک کوئی نبی نہیں آئے گا، نبیوں کی خوب صورت عمارت کی آپ ﷺ آخری اینٹ تھے، اس لیے انبیائے کرام کا مشن علماء کے ذمہ لگا دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہی دین معتبر ہے، جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے تھے، جس پر آپ اور آپ کے اصحابِ کرام عمل پیرا تھے، جس کو صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ سے بالمشافہہ سیکھا تھا، سنا تھا، جانا تھا اور جو انھیں کی روایتوں کے ذریعہ آج بھی کتاب وسنت کے اندر موجود ومحفوظ ہے، دین کو اس کی حقیقی واصلی شکل وصورت میں جاننے والی، سمجھنے والی، عمل کرنے والی اور لوگوں تک اسے پہنچانے والی جماعت **''جماعت اہل حدیث''** اور محدثین کا گروہ ہے، قدیم زمانے میں اسے **''اہل السنۃ والجماعۃ''** کے وصفی نام سے متعارف کرایا گیا تھا، سلفی علماء کی کتابوں میں مذکور **''اہل السنۃ والجماعۃ''** سے مراد یہی جماعت ہے، لیکن مرورایام کے ساتھ اس مبارک وصفی اصطلاح میں بھی گھپلا کر دیا گیا بعینہ اسی طرح سے جس طرح قدیم زمانے میں لفظ اسلام کے ساتھ کیا گیا تھا اور غلط فائدہ اٹھایا گیا تھا۔ روافض، معتزلہ، جہمیہ، خوارج سب گمراہ اور بدعتی فرقے اپنے کو اسلام کا نمائندہ بتلانے لگے تھے، تب ائمہ دین، علمائے محدثین نے خالص اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی شناخت کے لیے **''اہل السنۃ والجماعۃ''** کی صفاتی اصطلاح وضع فرمائی تھی تاکہ اصل اور نقل کی تمیز کی جاسکے، لیکن اب بدعتی، صوفی، بریلوی، دیوبندی، تحریکی، تبلیغی، اشعری، ماتریدی سب اپنے آپ کو **''اہل السنۃ''** کہنے لگے ہیں، اس لیے علمائے موحدین نے اپنا وصفی نام اہل حدیث اور سلفی پسند فرمایا، دراصل یہ جماعت نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارکہ:

''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ'' [1]

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر (قائم رہتے ہوئے) غالب رہے گا، جو شخص بھی ان کی حمایت سے دست کش ہوگا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے۔''

(۱) صحیح مسلم: کتاب الإمارة، باب لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ، رقم: ۴۹۵۰/۱۹۲۰)

کا مصداق و پرتو ہے، اس جماعت کے علاوہ جتنی بھی جماعتیں ہیں چوں کہ وہ کلمہ گو ہیں، اہل قبلہ ہیں، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانتی ہیں، اس لیے وہ مسلمان تو ہیں، لیکن اپنے کفریہ وشرکیہ عقائد، بدعات وخرافات، باطل وگمراہ کن افکار و نظریات کی وجہ سے منحرف، بدعتی اور جادۂ حق سے ہٹی ہوئی ہیں، ان کے یہاں کتاب و سنت کو چھوڑ کر بندگانِ خدا کی بے جا تقدیس اور ان کی شان میں غلو کا عنصر خطرناک حد تک پایا جاتا ہے۔

اللہ پاک اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے علمائے اہل حدیث پر جنھوں نے ہر زمان و مکان اور سرد وگرم ہر طرح کے موسم وحالات میں کتاب وسنت کا ڈنکا بجایا اور توحید وسنت کی بالادستی کو خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین عظام جو کہ خیر القرون ہیں، کی سمجھ وفہم کے مطابق قائم رکھا اور تمام علمائے سلف کے وقار و احترام کو باقی رکھتے ہوئے عقائد، عبادات ومعاملات وغیرہ سب میں تمسک بالکتاب والسنہ کی دعوت دیتے رہے۔

أُولَئِکَ آبَائی، فَجِئْنی بِمِثْلِهِم

إذَا جَمَعَتْنا یا جَرِیرُ المَجَامِعُ

(فرزدق)

تذکرہ نویسی علم تاریخ کا ایک روشن باب اور مشکل ترین فن ہے، اس سے اپنے اسلاف کی خانگی احوال وکوائف اور ان کی علمی و دعوتی اور قلمی خدمات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور آنے والی نسلوں کو دین اسلام کی بے لوث خدمت کرنے اور اپنے پیش رو ربانی علماء کے نقش قدم کی پیروی کرنے کا بلند حوصلہ ملتا ہے۔

ہر زندہ زبان میں کتب تراجم وسیر وسوانح پر مشتمل معتبر علماء کی بے شمار کتابیں موجود ہیں، جس میں انھوں نے علمائے امت کے حالاتِ زندگی اور ان کے متنوع و

قابل رشک خدمات قلم بند کیے ہوئے ہیں۔

میری ناقص معلومات کے مطابق اہل حدیث علماء کی سوانح نگاری کے باب میں سرزمین ہند میں بطور نمونہ ان علمائے کرام بالخصوص مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، نواب محمد صدیق حسن خاں قنوجی، ملک ابویحییٰ امام خاں نوشہروی، علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، حکیم محمد اسرائیل سلفی ندوی، ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی مدنی، ڈاکٹر محمد تنزیل صدیقی، مولانا عبدالمجید سوہدروی، مولانا عبدالرؤف خاں ندوی، مولانا محمد یونس مدنی بنارسی، مولانا عبدالوہاب جامعی، مولانا محمد اسماعیل رائیدرگی، مولانا عبدالحفیظ ندوی، مولانا عبدالحکیم مدنی وغیرہم کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب **''علمائے اہلِ حدیث بستی و گونڈہ''** اسی سلسلے کی ایک سنہری کڑی ہے، جس کے مؤلف علوم شرعیہ کے مستند عالم دین، سنجیدہ و باوقار اور خاموش طبیعت کے داعی و خطیب، معروف مؤلف و مصنف، محقق و مدقق اور ہماری جماعت کے بزرگ و قابل قدر علمی و عبقری شخصیت کے مالک جناب ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی مدنی حفظہ اللہ ہیں، جو تصنیف و تالیف اور قدیم عربی کتابوں کی تحقیق کا بڑا استھرا ذوق رکھتے ہیں، آپ نے اپنی اس کتاب میں ضلع بستی و گونڈہ کے علمائے اہل حدیث کی جماعتی خدمات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے حروف تہجی کی ترتیب سے ایک سو علمائے کرام کے مختصر حالات زندگی اور ان کی علمی و جماعتی خدمات کو سپرد قلم کیا ہے۔

فاضل مؤلف نے زیر نظر کتاب میں اپنے وضع کردہ اصول و شرائط پر ہر صاحبِ تذکرہ کی تدریسی، دعوتی، رفاہی، جماعتی اور تنظیمی خدمات کو تفصیل سے قلم بند کرنے کے بجائے مختصر حالات زندگی ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور ہر صاحبِ تذکرہ کا ذکرِ جمیل افراط و تفریط سے خالی اعتدال اور حقیقت پر مبنی ہے۔ درحقیقت یہ کتاب سیر و سوانح پر

مشتمل ذخیرۂ کتب میں ایک قابل قدر و بیش قیمت اضافہ ہے اور آئندہ سوانح نگاری کے موضوع پر کام کرنے والے باذوق اہل علم کے لیے مشعل راہ اور ایک قیمتی گلدستہ ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے دو ضلعے بستی و گونڈہ اہل حدیث آبادی اور علماء کی اکثریت، مکاتب و مدارس کی بہتات اور دیگر خوبیوں اور خصائص کی وجہ سے بہت ہی معروف و مشہور ہیں۔ ابتداء میں یہ دونوں ضلعے اپنے رقبہ کے اعتبار سے کافی وسیع و عریض تھے مگر اب یہ دونوں ضلعے کئی ضلعوں میں تقسیم ہو کر علاحدہ نام اور شناخت سے جانے جاتے ہیں۔ چناں چہ ضلع گونڈہ پہلے موجودہ ضلع بلرام پور اور گونڈہ پر مشتمل تھا مگر ۲۵/مئی ۱۹۹۷ء میں ضلع گونڈہ سے ضلع بلرام کو الگ ایک ضلع بنا دیا گیا، اسی طرح ضلع بستی میں دو ضلعوں کا مزید اضافہ کیا گیا، ضلع سدھارتھ نگر ۲۹/دسمبر ۱۹۸۸ء میں اور سنت کبیر نگر ۵/ستمبر ۱۹۹۷ء کو ضلع بستی سے ہی الگ کر کے مستقل ضلعے بنائے گئے۔ مذکورہ کتاب ''علمائے اہل حدیث بستی و گونڈہ'' چوں کہ جب لکھی گئی تھی تو اس وقت بستی اور گونڈہ دونوں دو الگ مستقل ضلعے تھے، مگر اب اس سے کئی اضلاع بنا دیے گئے ہیں۔ اس کی وضاحت اس لیے کرنی پڑ رہی ہے تا کہ نئی نسل کے قارئین کو کتاب ہٰذا میں بیان کیے گئے علماء کے مقام اور ان کی سکونت کے بارے میں کسی بھی طرح کی غلط فہمی نہ ہو۔ اسی طرح اس کتاب میں چند ایسے علماء کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو ان ضلعوں سے متصل پڑوسی ملک نیپال کے رہنے والے تھے، مگر چوں کہ ان کی دعوتی و علمی جہود کا اثر نیپال کے علاوہ اِن ضلعوں پر بھی پڑا اسی وجہ سے ان کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

الحمدللہ! اس خطے کے علمائے دین و فدایان دین اسلام اور حاملینِ کتاب وسنت نے ان علاقوں میں اسلامی قندیل کو روشن کیا اور انھیں کی مبارک کاوشوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے کہ ان اضلاع کے اندر اور اطراف واکناف میں توحید وسنت کا غلغلہ قائم ودائم ہے،

لیکن ان علمائے ربانیین میں سے اکثر راہی سفرِ آخرت ہو چکے ہیں۔ان کے بارے میں کم ہی لوگوں کو علم ہے اور یہ ہماری بہت بڑی کمی ہے کہ اپنے علماء کو یاد نہیں رکھتے ہیں، ان کے کارناموں سے لوگوں کے قلوب واذہان ناآشنا رہتے ہیں، حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ان کی سوانح عمری اور کارنامے کتابی اور دستاویزی شکل میں موجود رہیں تاکہ ایمان میں تازگی پیدا ہوتی رہے اور دعوت کے میدان میں کام کو مہمیز لگتی رہے ؎

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

کتاب ہٰذا کی افادیت، اہمیت وضرورت اور نایابی کے پیش نظر مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ سابق ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر نے اپنے عہد نظامت کے پہلے میقات میں اس کتاب کی ازسرنو کتابت اور معیاری وعمدہ طباعت کی بابت فاضل مؤلف سے گفتگو کر کے اجازت حاصل کر لی تھی اور بعجلت کتاب کی کمپوزنگ شروع کروا دی تھی اور چند ماہ کی محنت شاقہ کے بعد عزیز مکرم مولانا عتیق الرحمٰن سراجی نے پوری کتاب کمپوز کر دی تھی، ابھی طباعت کا مشکل مرحلہ باقی تھا، لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' آپ کا وقت موعود آ پہنچا اور آپ اس دارفانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔-غفر الله له وأسكنه فسيح جناته- جس بنا پر یہ کام التواء کا شکار ہو گیا۔

میں نے اپنے دورِ نظامت میں شیخ محترم رحمہ اللہ کے منصوبہ بند پروگراموں کی تکمیل کا عزم مصمم کیا، مخلص احباب سے مشورہ کیا، جمعیت کے سارے ذمہ داران نے میری ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا کہ چوں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر دستاویز اور معتمد ومستند مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے اسے طباعتی مراحل سے گزارا جائے۔

واضح رہے کہ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی ترجیحات میں یہ بات بھی داخل ہے کہ علمی و دینی اور اصلاحی موضوعات پر پمفلٹ و کتابیں گاہے بہ گاہے شائع ہوکر منظر عام پر آتی رہیں، مگر وسائل کی کم یابی کی وجہ سے اس جانب خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی ہے، اصحابِ خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ اس جانب خصوصی توجہ دے کر جمعیت کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

میں بے حد ممنون وشاکر ہوں اپنے احباب واخوان اوراکابرین علمائے کرام کا جواس کتاب کی کتابت و طباعت وغیرہ میں کسی بھی طرح سے شریک ہوئے۔ بطورخاص عزیزان گرامی مولانا سعود اختر سلفی، مولانا جمشید عالم سلفی اور حافظ محبوب عالم سلفی کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے اپنی تدریسی، دعوتی اور علمی مشغولیات کے باوصف بڑی دقت اور ذمہ داری کے ساتھ پوری کتاب کی پروف ریڈنگ کرتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر جماعت کے ان ارباب ثروت، اہلِ خیر احباب واخوان کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے حسب وسعت واستطاعت مالی تعاون سے نوازا، جس سے کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ کرانے میں سہولت وآسانی پیدا ہوئی۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے شعبۂ نشر واشاعت کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سابق ناظم جمعیت، قائد سلفیت، مفکر ملت شیخ محترم مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ کے ناقص اور ادھورے جماعتی منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی مدنی حفظہ اللہ کی گراں قدر تالیف لطیف **''علمائے اہل حدیث بستی و گونڈہ''** کو زیور طبع سے آراستہ کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے جا رہا ہے۔

میں فاضل مؤلف کو ان کی اس علمی کوشش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں، دعا گو ہوں

کہ اللہ اسے قبول خاص و عام عطا فرمائے اور مؤلف و ناشر اور تمام معاونین احباب کرام کی کوششوں اور مالی قربانیوں کو شرفِ قبولیت عطا کرے اور انھیں اجر عظیم سے نوازے۔ آمین!

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين

خادم جماعت و جمعیت

وصی اللہ عبد الحکیم مدنی

ناظم ضلعی جمعیت اہلِ حدیث سدھارتھ نگر (یوپی) انڈیا

Contact:9453117451

Email:Wasimadni50@gmail.com

یکم جولائی ۲۰۲۳ء، مطابق ۱۲/ذوالحجہ ۱۴۴۴ھ بروز سنیچر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو باتیں

(جدید اڈیشن سے متعلق)

ان الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلل فلاهادى له، وأشهد أن لاإله إلا الله وحدهٗ لاشريک له وأشهد أن محمداعبده ورسوله.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾(آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِیْ تَسَاء لُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً﴾(النساء: ۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداً ، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً﴾(الأحزاب: ۷۱-۷۰) **وبعد!**

(۱) آج سے تقریباً پینتالیس سال پہلے ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء میں علماء اہل حدیث بستی وگونڈہ کی تالیف ہوئی تھی، اس وقت حالیہ اشاعت کا پروگرام بنانے والے مولانا عبدالمنان سلفی طالب علم تھے، اسے شائع کرنے میں کافی تاخیر ہوئی، بالآخر ۱۹۹۰ء میں سوانح عمریوں والے علاقہ سے تقریباً تیرہ سوکلومیٹر دور گوجرانوالہ میں یہ کتاب چھپی جس کی صرف چند ہی کاپیاں علاقہ تک پہنچ سکیں، بہت سے علماء اور احباب نے مجھ سے

طلب کیا مگر میں معذور تھا، دوبارہ اشاعت بوجوہ مشکل تھی ، آخراب سے تقریبا ڈیڑھ دوسال پہلے مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ نے سدھارتھ نگر جمعیت اہل حدیث کی طرف سے اشاعت کا پروگرام بنایا ، میٹر کمپوز ہوا میں نے پروف پڑھ دیا، ان کو فون کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں جس کے بعد وفات کی خبر ملی، **اللهم اغفر له وارحمه**، ان کے انتقال کے بعد حالات پر قابو پانے کے لیے وقت درکار تھا کووڈ ۱۹ کی وجہ سے دشواری رہی تا آنکہ اب حرکت آئی تا کہ اسے اتنی لمبی مدت گزرنے کے بعد دوبارہ شائع کر دیا جائے ، اللہ تعالیٰ آسان کرے اور اہل علم کی ضروریات اس سے پوری ہوسکیں بلکہ اس کے نقش ثانی کے طور پر دوبارہ کام کرنے کا شوق پیدا ہو سکے۔

(۲) اس کتاب کی تالیف اور دوبارہ اشاعت کا درمیانی وقفہ کافی طویل ہے، یہاں تک کہ ایک طالب علم عالم بن کر مدرس ومقرر ہوا اور ایک بڑے ادارہ کا وکیل الجامعہ ہوا اور کم عمری میں وفات پا گیا مگر کتاب شائع نہ کی جاسکی۔

اس کتاب میں بوقت تالیف تذکرہ کیے گئے علماء کی اکثریت زندہ تھی، ان میں سے کئی ایک کے لیے حفظہ اللہ، مدظلہ العالی وغیرہ زندگی پر دلالت کرنے والی دعائیں ملیں گی ، اب ان میں سے اکثر وفات پا چکے ہیں، توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے اکثر کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے ، لہذا یہ فیصلہ ہوا کہ کتاب میں جس طرح ہو اسی طرح رہنے دیں تا کہ اس سے زمانۂ تالیف پر استدلال ہو سکے اور ناشر کو اختیار دیا جائے کہ وہ حاشیہ لگا کر وفات کی تعیین ممکن حد تک کر دیں ، یہ کام خود مجھے کرنا چاہیے تھا مگر میں عمر کے اس مرحلہ میں ہوں جس میں کام کو سمیٹا جانا ضروری ہے پھیلانا بڑی دشواریوں کا پیش خیمہ بن جائے گا۔

تقریبا پینتیس سال پہلے کا کیا ہوا ایک اہم کام جو "**النهاية في غريب الحديث لابن الأثير** (وفات: ٦٠٦ ھ) پر استدراک سے متعلق ہے جس کا نام "**أغفال النهاية**" تجویز ہوا ہے مکمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں یہ کام کافی اہم ہے،

تقریباً ساڑھے سات سو سال گزرنے پر بھی اس پر کوئی مناسب کام نہیں ہوسکا، **واللہ من وراء القصد۔**

میں نے اس تحریر میں صرف ایک عالم کے تذکرہ کا اضافہ کیا ہے، وہ ہے مولانا خلیل الرحمٰن بھٹ پر ابوقت طباعت ان کی سوانح لکھی ہوئی تھی اور صرف میری چوک کی نذر ہوگئی تھی، نیز مولانا اقبال رحمانی کے تذکرہ میں پہلے استاد محترم مولانا عبدالسلام اُبواسلم رحمہ اللہ کی تحریر سے ماخوذ تعلیق نسخۂ خاص میں لگی ہوئی ملی جو شامل کردی گئی اور مولانا رحیم اللہ کا تذکرہ حذف کردیا گیا ہے کیوں کہ مولانا عتیق اثر ندوی حفظہ اللہ ناظم جامعہ اسلامیہ دریاباد، سنت کبیر نگر نے مجھے خبردار کیا ہے کہ وہ اہل حدیث نہیں تھے۔

پرانے علماء میں شاید ہی کوئی میری تالیف میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو، البتہ بوقت تالیف موجود علماء کی ایک بڑی تعداد اس کے شروط پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے شامل نہیں ہوسکی تھی، جن پر اور ان کے بعد کی ایک مکمل نسل پر کسی صاحب دل کو ممکن ہے اللہ توفیق دے دے کہ وہ یہ کام کرڈالیں، میرے زمانۂ تالیف میں نہ فون تھا نہ سواریاں تھیں، نہ صحیح راستے تھے اللہ کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے ان مشکل حالات میں بھی یہ کام ہوگیا، آج الحمدللہ سہولت کے مذکورہ بالا وسائل میسر ہیں، اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ رہنا حیات بخش ہوتا ہے لہذا اس پر توجہ کی جانی چاہیے، اللہ توفیق سے نوازے۔ آمین!

والحمدلله أولاوآخراوصلى الله على نبينامحمد وعلى آله وصحبه وسلم

د، بدرالزماں محمد شفیع نیپالی
مدیر جمعیۃ التوحید الخیریۃ، بجوا، کپل وستو، لمبنی، نیپال
20/10/2021
رابطہ نمبرات: **00977-9814462024**
0091-9118113828

ضلع بستی اور گونڈہ میں اہل حدیثیت کی ابتداء مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ اور سید احمد رحمہ اللہ کے فیض یافتہ مولانا جعفر علی نقوی سے ہوتی ہے۔ آپ نے حادثۂ بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ کے بعد وطن واپس آکر دعوت وتبلیغ اور سلفیت کی ترویج کو اپنا مشن بنایا، ممکن ہے آپ ہی کی ترغیب پر مولانا محمد اسحاق بانسوی جونپور بغرض تعلیم گئے ہوں، اس ابتدائی دور میں مذکورالصدر حضرات کے علاوہ مولانا محمد اظہر بہاری متوطن ادئی پور گونڈہ، مولانا محمد دین محدث پنجابی، مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری، مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عباداللہ یوسف پوری، مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ گونڈہ، حافظ لعل محمد بانسوی، مولانا عظیم اللہ نیپالی، مولانا محمد حسن ترکلہا لمبنی نیپال، حاجی عبدالجبار گنوریا (بلرام پور) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنھوں نے علاقہ میں گھوم گھوم کر تبلیغ کی، علاقہ کا علاقہ اہل حدیث بنایا اور لوگوں کو کتاب وسنت کی راہ دکھائی، اس دور کا سرخیل ہم مولانا جعفر علی نقوی کو پاتے ہیں، اس دور کا امتیاز ہے عوام میں دعوت وتبلیغ کے ذریعہ توحید کا سبق سکھانا شرک وبدعت اور رسوم ورواج سے دور رہنے کی تلقین کرنا اور لوگوں کے سامنے بہتر نمونہ پیش کرکے اہل حدیث بنانا۔

دوسرے دور کا آغاز بیسویں صدی کی ابتداء سے ہوتا ہے، اس میں مولانا عبدالرزاق سمراوی، مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی، مولانا عبدالوہاب بانسوی، مولانا عابد علی انتری بازار، مولانا ممتاز علی، مولانا محمد یٰسین بونڈیہاری، مولانا عبدالغفور بسکوہری وغیرہ قابل ذکر ہیں،

جنھوں نے تاریخ سلفیت کا رخ تعلیم کی طرف موڑنے میں خاص رول ادا کیا، جب کہ عوامی دعوت وتبلیغ ،ترویج سلفیت اور ردشرک وبدعت میں کچھ کمی نہیں آنے پائی، گویا اس دور کا امتیاز تعلیم پر مرکوز ہے، جس کے نتیجے میں بستی وگونڈہ کی تاریخ اہل حدیث کے تیسرے دور میں علم کا دوردورہ ہوا، بے شمار علماءِ کرام وجود میں آئے اور دیکھتے دیکھتے ہندوستانی پیمانے پر کمیت وکیفیت ہر اعتبار سے بھاری نظر آنے لگے، اس دوسرے دور کا سرخیل ہم مولانا عبدالرزاق سمراوی کو پاتے ہیں کیوں کہ علمی لیاقت ،تدریسی صلاحیت ، انتظامی قابلیت ،مدبرانہ عقلیت، صحافتی سوجھ بوجھ،دعوتی لگن،مناظرانہ بالادستی، باطل شکن ہمت وقوت، عائلی زندگی کی مشقتوں سے بے نیازی،صلاح وتقویٰ اور خدمت دین وترویج سلفیت نیز قلت وسائل کے باوجود مجاہدانہ نقل وحرکت میں آپ کے دور میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا،اس دور میں جہاں دعوت وتبلیغ اور ردشرک وبدعت کے شانہ بشانہ علم اور تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی، وہیں بریلویوں،شیعوں،مقلدوں اور آریہ سماجیوں وغیرہ کا زور توڑنے کے لیے ان کے علماء کو للکارا گیا اور ان کے عوام کو اپنا ہم نوا بنایا گیا۔

تیسرا دور ہندوستان کی آزادی ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتا ہے، جس میں ہمیں مولانا عبدالمبین منظر،مولانا شکراللہ سمرہنوی،مولانا عبدالجلیل رحمانی، قاری عبدالحق بانسوی،مولانا عبدالرحمٰن بجواوی،مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی،مولانا محمد اقبال رحمانی،مولانا محمد زماں رحمانی، اور مولانا عبدالرؤف رحمانی حفظہ اللہ وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر نظر آتے ہیں، اس دور کا امتیاز ہے تحریری دعوت وتبلیغ برائے عوام وخواص وموافق ومخالف گویا اس دور میں دونوں سابقہ ادوار کے امتیازات وخصوصیات کے شانہ بشانہ ایک تیسرا ایسا قدم اٹھایا گیا ہے جس سے حال ومستقبل کے تمام حاضر وغائب ،صغیر وکبیر اور عوام وخواص کو تادیر یکساں فائدہ پہنچتا رہے،اس سلسلے میں مولانا عبدالمبین منظر ، مولانا شکراللہ سمرہنوی، مولانا عبدالجلیل

رحمانی، مولانا عبدالرحمٰن بجواوی اور مولانا عبدالرؤف رحمانی کا نام خاص طور پر لیا جائے گا۔

اس دور کا سرخیل ہم مولانا عبدالمبین منظر کو پاتے ہیں جن کی گونا گوں صلاحیتوں نے انھیں زبردست عالم ومدرس، بہترین منتظم، کامیاب مناظر ومصنف، متحرک داعی ومبلغ، سنجیدہ مقرر ومدبر اور مخلص صاحبِ ورع وتقویٰ کی شکل میں پیش کیا۔

علماء بستی وگونڈہ کے جماعتی خدمات کو تین اہم حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول: دعوت وتبلیغ اس میں درج ذیل چیزیں داخل ہوتی ہیں، انفرادی اوراجتماعی کوششوں کے تحت مسلمانوں کو شرک وبدعت، تعزیہ پرستی، قبر پرستی وغیرہ مختلف منکرات سے دور رکھنا، نیز کتاب وسنت کی تعلیمات کے مطابق انفرادی اوراجتماعی ومعاشرتی زندگی گزارنے کا پابند بنانا، اس سلسلے میں چھوٹے دعوتی حلقے قائم کرنا، جمعہ، عیدین اور مختلف مناسبات پر پند ونصیحت کا اہتمام کرنا، مختلف اداروں یا تنظیموں کی سرپرستی میں بڑے اجتماعات اور کانفرنسیں کرنا اور منہج سلف سے ہٹے ہوئے مختلف گروہوں سے زبان وقلم اور قوت بازو سے نبرد آزما ہونا اوران کا زور توڑ کر ہدایت کا راستہ دکھانا۔

جماعتی خدمات کا یہ باب اس قدر وسیع ہے کہ مذکورہ چند نقاط ہی سے متعلق یہاں کی خدمات کا احاطہ دشوار ہی نہیں ناممکن ہے، اس لیے اس اجمال پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

دوم: مدارس وتدریس، اس میں درج ذیل چیزیں داخل ہوتی ہیں۔

مدارس کی تاسیس، ان کا انتظام وانصرام اور متعلقہ اسباب کی فراہمی اور طلبہ کی تعلیم اور تربیت وغیرہ۔

اس سلسلے میں بستی کے چند اہم قدیم وجدید مدرسے حسب ذیل ہیں: مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور، مدرسہ ہدایت المسلمین کرہی، مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، مدرسہ سمرا (خانکوٹ سمری) مدرسہ بحر العلوم انتری بازار، مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر،

مدرسہ عربیہ اکرہرا، مدرسہ اسلامیہ بانسی، مدرسہ قاسم العلوم ریواں، مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا، مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں، مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا، مدرسہ شمس العلوم سمرا، مدرسہ انوارالعلوم پرساعماد، مدرسہ دارالتوحید میناعیدگاہ ،مدرسہ اتحاد ملت اٹوابازار، مدرسہ خیرالعلوم ڈومریاگنج ،کلیۃ الطیبات ڈومریاگنج ،مدرسہ مدینۃ العلوم لوہرسن بازار۔

اس طرح گونڈہ کے چند اہم قدیم وجدید مدرسے یہ ہیں: مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار، مدرسہ اللہ نگر، مدرسہ زینت العلوم سمرہن، مدرسہ نصرۃ الاسلام شنکرنگر، مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور، مدرسہ قاسم العلوم گلرہا، مدرسہ محمدیہ تلشی پور، مدرسۃ البنات تلشی پور، مدرسہ عربیہ اونرہوا وغیرہ۔

سوم: تصنیف وتالیف وترجمہ وصحافت،اس سلسلے میں اس علاقے کے علماء نے علاقائی، ہندوستانی اور عالمی سطح پر خدمت کی ہے، یہاں مختصراً اہم افراد کا نام دیا جاتا ہے جس کی تفصیل ان کے تذکروں میں دیکھی جاسکتی ہے مثلاً :مولانا عبدالوہاب بانسوی، مولانا عبدالرزاق سمراوی، مولانا عبدالصمد ٹھکراپوری، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا شکراللہ سمرہنوی، مولانا عبدالسلام شیخ الحدیث ،مولانا عبدالمبین منظر، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا عبدالعلیم ماہر ،ڈاکٹر وصی اللہ ،ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن ، ڈاکٹر صغیراحمد، ڈاکٹر عبدالعلیم، شیخ عبدالقدوس کمہریا، ڈاکٹر فضل الرحمٰن شنکرنگر، مولانا صلاح الدین، مولانا عبدالمعید، مولانا محمد اقبال چیونٹہوا، مولانا عبدالقیوم ششہنیاں، مولانا محمد اقبال موتی پور، ڈاکٹر عبدالوہاب صدیقی ،مولانا شمیم احمد سلفی ،مولانا عبدالوہاب حجازی، مولانا رفیق احمد سلفی، مولانا عبدالرب گینسڑی، مولانا ابوالکلام بہراوی، مولانا محمد مستقیم پھلوریاوی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا عبدالواحد ٹکریاوی۔

نیز شعراء میں احمد حسن صبوحی، ذکر اللہ ذاکر ندوی، عبدالرؤف حیرت بستوی، حامد انصاری انجم وغیرہ۔ [1]

اس کتاب ''علماء اہل حدیث بستی و گونڈہ'' کی ترتیب و تالیف کا کام ایک ضرورت تھی، جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی، اس سے پہلے ''علماء اہل حدیث میوات'' اور ''دہلی کے اہل حدیث مدارس اور مدرسین'' کی ترتیب مکمل ہوچکی ہے، زیر نظر کتاب کی ترتیب ۱۹۷۶ء میں شروع کی گئی تھی اور ۱۹۸۳ء میں مکمل کر کے چھاپنے کے لیے بعض ناشرین کے حوالہ بھی کردی گئی تھی مگر اس کے چھپنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا اس لیے مزید تاخیر ہوئی۔

اس کتاب میں صرف ان حضرات کا ذکر ہے جن میں مندرجہ ذیل چیزیں پائی گئی ہیں، (۱) وفات پاچکے ہوں (۲) اہم خدمات کے ساتھ عمر کے آخری مرحلہ میں داخل ہوچکے ہوں (۳) کسی مدرسہ کے مؤسس ہوں (۴) بحیثیت مؤلف جانے جاتے ہوں۔

چوں کہ اشاعت میں تاخیر ہوئی اور اس عرصہ میں بہت سے علماء کا انتقال ہوگیا، اس لیے یا تو ان کا تذکرہ بڑھانے کی ضرورت پڑی یا ان کے انتقال وغیرہ سے متعلق اضافات کرنے ضروری ہوگئے، نیز سات آٹھ سال کے عرصہ میں بہت سے ایسے اہل علم جو تصنیف و تالیف سے نہیں جانے جاتے تھے اصحاب تالیفات ہوگئے، اپنی شرط کے مطابق میرے لیے ضروری تھا کہ ان حضرات کا تذکرہ شامل کتاب کرتا مگر میں نے اپنی آسانی کے پیش نظر ان کا ذکر بمشیت الٰہی اگلے حصہ کی ترتیب [2] پر موقوف کردیا اور وفات پاجانے والوں ہی کی حد تک اضافات کو محدود کردیا۔

(۱) ان مؤلفین اور شعراء نیز موجودین میں سے جن حضرات کا تذکرہ شامل کتاب نہیں ہے، ان کا ذکر ان شاء اللہ اگلے حصہ میں کیا جائے گا۔ (۲) مگر مدینہ جانے کے بعد علمی افق بدل گیا اور ادھر توجہ نہیں ہوسکی اور اب ۲۰۲۳ء میں کیے گئے کاموں کو سمیٹنے میں لگے ہیں، کام پھیلانے کا وقت نظر نہیں آتا۔

اس تذکرہ کی تالیف سے میرا مقصد آنے والے مؤرخ کے لیے مواد فراہم کرنا اورنوجوانوں کوان کے اسلاف کے کارناموں سے متعارف کرانا اورزندہ جاوید مثالوں کی روشنی میں خدمت دین کے لیے قربانیاں پیش کرنے کا سبق یاد دلانا ہے۔

اللہ کرے کہ مجھے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو،اس قافلۂ توحید کی اس معمولی سی خدمت سے رضاء الٰہی نصیب ہو۔

والحمدلله رب العالمين وصلى الله على محمدوبارک وسلم۔

بدرالزماں نیپالی

اوکھلائی دہلی

۲۵/۱۰/۱۹۹۰ء

الف

(۱)

مولانا احمد علی، اوبری ڈیہہ (گونڈہ)

مولانا عبدالغفور بسکوہری مولانا محمد اسحاق محدث بانسوی کے تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”دوسرے لائق شاگرد جناب مولانا احمد علی صاحب مقام اوپری ڈیہہ (غالباً صحیح اوبری ڈیہہ ہے) ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے، علاقہ کے ممتاز عالموں میں سے تھے، آپ کو توحید کا سچا عشق تھا، آپ کی ذاتِ گرامی سے بھی علاقہ میں خوب دینداری پھیلی، رحمہ اللہ۔“

اندازہ ہوتا ہے کہ محمد اسحاق کے چاروں شاگرد مولانا عباد اللہ یوسف پوری، مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ، مولانا حافظ لعل محمد بانسوی اور مولانا عظیم اللہ نیپالی، (جن کا ذکر مولانا عبدالغفور بسکوہری نے بونڈیہار کی کانفرنس منعقدہ ۲۷/۲۸/۲۹ رشعبان ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۰/۲۱/۲۲ فروری ۱۹۲۸ء کے خطبۂ استقبالیہ میں کیا ہے) سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد ہیں، اول الذکر تو بالتحقیق میاں صاحب کے شاگرد ہیں، قیاس چاہتا ہے اوران حضرات کی انقلابی خدمات میاں صاحب کے تلامذہ ہونے کی غمازی کرتی ہیں واللہ اعلم بالصواب، بہرحال مولانا احمد علی نے تقریباً عمر بھر مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور تبلیغ ودعوت کے لیے پورے بستی و گونڈہ کے علاقوں میں گشت کرتے رہے۔

(۱) اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۳ر رمضان ۱۳۴۶ھ

آپ کے بارے میں اہل اوسان کوئیاں بہت زیادہ جذباتی نظر آتے ہیں اورزبردست عالم باعمل اور بزرگ بتانے کے ساتھ تقویٰ و پارسائی میں ولی اللہ گردانتے ہیں، آپ کا انتقال اوسان کوئیاں میں مدرسہ مظہر العلوم پر ہوااور اپنے گاؤں اوبری ڈیہہ دفنائے گئے۔

(۲)

مولانا اقبال حسین ریواں (بستی)

نام اقبال حسین والد کا نام عابد حسین ہے، آپ کے بارے میں مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی رقم طراز ہیں:

''مولد موضع کسمہی اور مسکن ریواں، مولانا ممتاز علی صاحب کے برادر خورد اور خصائص علمی و عملی میں اپنے برادر بزرگ کے معاون......حدیث دہلی میں مولوی عبیداللہ مرحوم اٹاوی (مدرسہ زبیدیہ) سے پڑھی، طب میں بھی درک ہےاور یہی ذریعہ کفاف، اپنے برادر بزرگ کی طرح رنگ جلالی ہے، تبلیغ میں روز وشب انہماک، شعار اسلام کی عزت وحرمت نصاب زندگی، مہمان نوازی شیوہ، حسن ظاہری اور باطنی دونوں سے مزین، جفاکشی اور محنتی'' (تراجم ص:۵۷۰) امام خاں نے لکھا ہے کہ ''درس نظامی اصل نصاب سے قدرے کم رہا'' جب کہ یہ بات صحیح نہیں ہے آپ سے میری ملاقات ہوئی ہےاوراس جملے پر آپ کے تلامذہ اور فرزندوں نے کڑی نکتہ چینی کی ہے، آپ کے ذریعہ تعزیوں کے بہت سے چبوترے توڑے گئے۔

توحید وسنت کی تبلیغ میں کافی حرکت آئی اور مدرسہ قاسم العلوم (مقام ریواں) کی تاسیس اوراس میں تدریس نے آپ کا حلقۂ تبلیغ مزید وسیع کردیا ہے، ضعیفی کا دور ہے مگر ابھی مجبوری نہیں آئی ہے، حفظہ اللہ۔

دعاء تعویذ کے سلسلے کی بعض چیزوں پر علماء اہل حدیث بجا نکتہ چینی کرتے ہیں

عافانا الله وهدانا ، آپ کی سوانح حیات آپ کے فرزند مولانا عبدالاول نے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا مگر اب تک موصول نہ ہوسکا۔

(آپ کے فرزندار جمند مولانا عبدالاول نے آپ کی مجرب دواؤں اور دعاؤں پر مشتمل ایک کتابچہ بنام ''تحفۂ اقبال'' شائع کیا ہے، اس سے منتخب کر کے کچھ چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں)۔

نام ابوالثقلین سید اقبال حسین بن حسن علی بن محمد رسول بن محمد پناہ مولد موضع کسمھی ، متوطن ریواں تاریخ ولادت غالباً ۱۸۹۶ء ہے تعلیم سراج العلوم بونڈیہار و دارالہدیٰ یوسف پور، بحرالعلوم انتری بازار، مدرسہ عالیہ مئو، دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور مدرسہ زبیدیہ دہلی میں پائی، ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ قاسم العلوم موضع ریواں میں اپنے برادر بزرگ مولانا ممتاز علی کی معیت میں دعوت وتبلیغ شعار تھا، چوک چبوترے کھدوانا، ڈھول پھوڑنا، تعزیہ توڑنا اور مظلوموں کا حق دلوانا اسلامی فریضہ سمجھتے تھے، آپ ہمیشہ عمامہ، طویل کُرتا نصف ساق تہبند میں ہوتے تھے، اتباع سنت میں سلفیت کی مکمل تصویر تھے، فرائض کے ساتھ نوافل اوراوراد و وظائف، شب بیداری کا ہر حال میں التزام کرتے تھے۔

مولانا عبدالأول فرماتے ہیں ''عوام الناس کو گمراہ رہنماؤں کے غلط طریقے کا گرویدہ پایا تو کتاب وسنت کی روشنی میں حلقۂ ارادت کو وسیع کیا.....اور محض اس غرض سے اپنے عملیات اور فن حکمت کو بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے حاصل کر کے کمال پیدا کیا.....اور خالص قرآن وسنت کی دعاؤں سے آسیب زدوں اور اپنے مجرب نسخوں سے مصیبت زدوں کو آرام پہنچایا۔ [1]

آپ کا انتقال ۱۴رفروری ۱۹۸۶ء مطابق ۴ر جمادی الآخرۃ ۱۴۰۶ھ کو وطن میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

---

(۱) تحفۂ اقبال ص: ۱۳۰

(۳)

مولانا اقبال بونڈیہار (گونڈہ)

دہلی میں اچانک یہ خبر سنی گئی کہ مولانا اقبال رحمہ اللہ کا مکہ معظّمہ میں انتقال ہوگیا، خبر صحیح تھی سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔

آپ کے بارے میں آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالسلام بستوی خریج جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کے تحریر کردہ محدث اکتوبر ۱۹۸۹ء میں چھپے ایک مضمون سے اخذ کرکے یہ سطریں لکھی جارہی ہیں:

والد کا نام عبدالستار ۱۹۱۹ء، میں بونڈیہار میں پیدا ہوئے۔

اس وقت تک میں ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۰ء تک مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک مولانا شاہ محمد مبارک پوری ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک مولانا سلیمان اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۴ء تک مولانا عبدالسلام مبارک پوری کے فیوض و برکات سے آپ کا گاؤں مستفید ہوچکا تھا۔

آغاز تعلیم عربی قاعدہ سے ہوئی، اس کے بعد صرف ۲۹ر دن میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ کر ختم کرلیا اور گاؤں ہی پر ۱۲۔۱۳ر سال کی عمر میں پرائمری درجات، فارسی کے دو سال اور عربی کی پہلی جماعت مکمل کرلی۔ ۱۹۳۳ء میں رحمانیہ گئے، ثانیہ میں داخلہ لیا اور ستمبر ۱۹۳۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

علمی ذوق سمجھ بوجھ اور حافظہ بلا کا تھا، دہلی کے مشاعروں میں سامع کی حیثیت سے حاضر ہوتے تو آپ کو اکثر اشعار یاد ہوجاتے اور علمی مباحث کم محنت کرنے کے باوجود سمجھ میں آجاتے تھے، ذہانت وفطانت کے ساتھ صلاح وتقویٰ کا وافر حصہ بھی قدرت کی طرف سے ملا تھا، اسی وجہ سے اساتذہ اور مہتمم جامعہ کی نظر میں معزز رہے،

امتحانات میں نمایاں کامیابیوں کی وجہ سے ہمیشہ انعامات سے نوازے جاتے رہے۔

گھر واپس آئے تو مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار کی نظامت سپرد کی گئی جسے نہایت قابل رشک انداز میں آخر وقت (۴۳ رسال) تک چلاتے رہے۔

آپ اساتذہ سے جس قدر محبت کرتے تھے اس کی مثال شیخ عبیداللہ رحمانی شارح مشکاۃ المصابیح مدظلہ العالی سے پوری زندگی لگاؤ ہے اور تعلق اس کے علاوہ مرعاۃ کی دوسری اور تیسری جلد کی طباعت وغیرہ میں آپ نے جو انتھک کوشش کی ہے وہ ناقابل فراموش ہے، آپ نے تربیت کی نہایت خاص اسالیب ایجاد کی تھیں اور نہایت اچھے طریقے پر طلبہ کی تربیت کرتے تھے۔

(تأثر مولانا عبدالسلام) ''آپ کے اندر خدمت خلق کا بڑا جذبہ تھا، سنت کے شیدائی، صلاۃ باجماعت کا اہتمام کرنے والے، شب بیدار، انتہائی ملنسار، ہنس مکھ، قوم وملت کے بے پایاں درد رکھنے والے، غرباء ومساکین وطلبہ کا خیال رکھنے والے، انتہائی متواضع، سادگی پسند، خوددار، اعلیٰ سمجھ بوجھ کے مالک، کامیاب مصلح ومدبر، خداترس، امانت دار، قرآن مجید سے شغف رکھنے والے، عالم باعمل، حرص وطمع سے پاک اور جملہ صفات حمیدہ واخلاق حسنہ سے متصف تھے، اسی وجہ سے چھوٹے بڑے، ہر ایک کی نگاہ میں بڑے محترم ومعزز تھے، سب لوگ آپ سے انتہائی عقیدت ومحبت سے ملتے، قرب وجوار میں ''بڑے مولانا صاحب کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔''

۷ راگست کو اہلیہ کے ساتھ عازم حج ہوئے، عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ جانا چاہتے تھے کہ بیمار ہوگئے اور ہسپتال میں ۱۳ ر ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۱ راگست ۱۹۸۲ء بروز منگل عصر کے بعد ۶۳ رسال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلاۃ میں سپرد خاک کیے گئے۔

اللهم اغفر له وارحمه۔

(۴)

میاں الٰہی بخش، چوکنیاں (بستی)

آپ بانسی اور ڈومریا گنج کے درمیانی علاقہ میں موضع چوکنیا (بستی) کے رہنے والے تھے، عالم دین تو نہ تھے مگر بزرگوں کی صحبت نے وہ رنگ پیدا کر دیا تھا کہ خود اپنی اصلاح کے علاوہ اپنے معاشرہ اور علاقہ کی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھا رکھا تھا، مولانا سید جعفر علی نقوی کی صحبت نے آپ کو جذبۂ دعوت واصلاح سے سرشار کر دیا تھا، علاقہ میں بدعات وخرافات کا استیصال اور سنت کی ترویج وتبلیغ اور توحید خالص کا پرچار آپ کا مقصد حیات تھا، علاقہ میں آپ اور آپ جیسے بعض بزرگوں کا اثر ہے کہ توحید کے نام لیوا کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

(۵)

مولانا الطاف الرحمٰن رحمانی ٹھکراپور (بستی)

آپ مولانا عبدالصمد کے خاندان کے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے بارے میں معلومات نہیں، قیاس کہتا ہے کہ گاؤں اور یوسف پور میں تعلیم پا کر ہی دارالحدیث رحمانیہ گئے ہوں گے، رحمانیہ دہلی سے آپ نے ۱۹۳۸ء میں فراغت حاصل کی اور گھر چلے آئے، بڑے ذہین اور صاحب علم تھے گھر ہی پر رہے کہیں ملازمت نہیں کی، گھر کی آراضی کی کاشت میں لگے رہے، عین شباب میں انتقال کر گئے۔

(۶)

مولانا اللہ بخش بسکوہر (بستی)

(براویت مولانا محمد ابراہیم بن مولانا اللہ بخش بسکوہری)

ٹھاکر کے نام سے یاد کیے جاتے تھے، خاندان ''رانہ'' تھا، والد پربھا سنگھ فوج میں تھے، اس کے صلے میں ایک طویل آراضی ملی تھی، چچا نے بے ایمانی کی ٹھانی اور آپ کو جان سے مار ڈالنے کا ارادہ کرلیا، پھوپھی کی اطلاع اور اشارہ پر گھر سے نکل بھاگے، وہ پنجاب چھوڑ کر بھاگے تو راستے میں ایک فقیر مل گیا، فقیر کے ساتھ اس کے زیر کفالت پنجاب ہی میں رہے، اس نے ان کا ختنہ کرادیا پھر وہاں سے دہلی آئے، وہاں میاں صاحب کے پاس پہنچے اور ان سے تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد لکھنؤ آئے فقہ وغیرہ کی تکمیل مولانا عبدالحي سے کی، وہاں سے فیض آباد آئے اور چمڑے کے تاجر حاجی بنّو کے یہاں ٹھہرے، بسکوہر کے دو تاجر خدا بخش اور ایک اور صاحب وہاں جاتے تھے وہ آپ کی صحبت میں رہتے اور مستفید ہوتے، یہ لوگ مولانا کو اپنے یہاں بسکوہر بلا لائے، مولانا بسکوہر سے اوسان کوئیاں گئے، وہاں مدرسہ قائم کیا، پھر بسکوہر آئے اور یہاں سے تبلیغ وتدریس کا کام شروع کیا۔

اللہ نگر میں حاجی اللہ بخش نے آپ کو ایک گھر اور ڈھائی سو بیگھ زمین دی تھی، آپ نے گھر کو مدرسہ بنادیا اور زمین کو طلبہ کی ضرورت کے لیے وقف کردیا، آپ کے ساتھیوں میں مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا عبدالوہاب نابینا تھے، نواب صاحب سے بھی آپ کے تعلقات تھے، مولانا اللہ بخش بسکوہری بستی کے ان چند علماء میں سے ایک ہیں جن کے فیوض کا چشمہ بستی کے اطراف میں جاری ہوا اور میاں صاحب کے شاگردوں کے بارے میں جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ جہاں گئے توحید کا درخت

لگانے میں کامیاب رہے اورانھوں نے اپنے علاقے میں توحید وسنت کے بے شمار علمبردار پیدا کردیے آپ پر بھی صحیح ثابت ہے، آپ کے بارے میں مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ اپنے خطبۂ استقبالیہ میں فرماتے ہیں:

''مولانا اللہ بخش صاحب مرحوم بسکوہری کی برگزیدہ ہستی علاقہ ہذا کی ہدایت کا ذریعہ ہوئی، آپ پنجاب ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے، آپ قوم چھتری سے تھے، بچپن ہی میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے دور ہوگیا اوریتیم ہوگئے، سن شعور کو پہنچنے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اورشوق علم دل میں لے کر شہر دہلی میں شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورشرف تلمذ حاصل کیا، بعد تحصیل علم دہلی سے رخصت ہوکر بسکوہر تشریف لائے اوریہیں درس وتدریس کا کام شروع فرمایااورتقریبا چالیس برس تک اپنے فیوض سے لوگوں کوفائدہ پہنچاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہمارے علاقہ میں آپ کے لائق شاگرد زیور علم سے آراستہ ہوکرلوگوں کے لیے ہدایت کانمونہ بنے، جن میں آپ کے خاص شاگرد دیانت اللہ سمراوی ہیں، مولانا مرحوم توحید وسنت پر دل سے شیدا تھے، اپنی ساری عمر آپ نے جس پرہیزگاری اوراحتیاط سے بسر کی اس کی مثال ملنی مشکل ہے، آپ کا اکلِ حلال ضرب المثل بنا، تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں بمقام بسکوہر آپ کا انتقال ہوااور یہیں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

آپ نے عرصہ تک مدرسہ مظہرالعلوم اوسان کوئیاں میں پڑھایا، خیال [2] ہے کہ آپ کا پہلا مرکز تدریس اوسان کوئیاں رہا، دوسرا بسکوہر اورآخری خواب گاہ بھی۔

مولانا کے شاگردوں کی تعداد تو بہت ہوگی چندنام جومولانا عبدالغفور بسکوہری

(۱) اہل حدیث امرتسر مجریہ ۱۹۲۸/۳/۱۶ء (۲) یہ میرا اندازہ اس وقت تھا جب مجھے آپ کے فرزند مولانا محمد ابراہیم کی روایت نہیں ملی تھی۔

سے معلوم ہوئے یہ ہیں:

(۱) مولانا جعفر علی مرغہوا (۲) مولانا لیاقت حسین مرغہوا (۳) مولانا محمد صدیق بسکو ہری (۴) مولانا عبدالرزاق سمراوی (۵) مولانا عبدالستار بسکو ہری (۶) مولانا خلیل احمد بسکو ہری (۷) مولانا دیانت اللہ (۸) مولانا مصاحب علی اونرہوا (۹) مولانا ولی اللہ گوہنیاں (۱۰) مولانا عبدالرحمٰن بجواوی (۱۱) مولانا مولا بخش (۱۲) مولانا عبدالجلیل (۱۳) مولانا شکراللہ آپ حضرات اوسان کوئیاں کے تھے اور یہیں استفادہ کیا آپ نے روحانی اولاد کے علاوہ تین جسمانی اولاد یادگار چھوڑی (۱) مولانا محمد ابراہیم (۲) محمد زکریا (۳) محمد ادریس۔

(۷)

مولانا امیر علی ششہنیاں (بستی)

آپ پرسانامی گاؤں علاقہ کھنڑسری کے تھے، یتیم تھے اس لیے کسی طرف تعلیم کے لیے نکلے، مولانا عبدالرزاق صاحب کے قائم کردہ مدرسہ اکرہرامیں پڑھنے لگے، پھر گورابازار الیدہ پور میں مولانا عبدالرزاق کی وجہ سے آئے اور ششہنیاں کو اپنا مستقر بنایا، مہتو امین (ششہنیاں) نے آپ کی بڑی خاطر داری کی اور وہ ان کے بچے کی طرح رہنے لگے، بعد میں مطلع العلوم خندق میرٹھ میں داخل ہوئے پھر مدرسہ زبیدیہ میں ۱۹۳۱ء کے بعد فراغت حاصل کی اور واپس ششہنیاں آئے، آپ کو برص کی بیماری ہوگئی تھی، ششہنیاں میں مسجد کو اپنا دائمی مستقر بنایا اور پھر یہیں انتقال فرمایا، آپ بڑے غریب صوفی منش تھے ہر شخص کے کام آنا آپ کا خصوصی کام تھا، اس سلسلے کے مختلف واقعات ہیں۔

۞۞۞

ج

(۸)

مولانا جعفر علی نقوی، مجھوا میر (بستی)

سید جعفر علی کے والد کا نام قطب علی تھا، یہ خاندان مجھوا میر (ضلع بستی) سے پہلے اجودھیا کے سیدواڑہ میں آباد تھا، اس خاندان کے جدامجد سید جلال الدین آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان آئے اور اجودھیا میں مقیم ہوگئے، گیارہویں صدی ہجری کے لگ بھگ اس خاندان کے کچھ لوگ مجھوا بستی میں آباد ہوئے، یہ خاندان علم وفضل میں ممتاز رہا ہے، ۱۲۱۸ھ میں رمضان کی ۲؍تاریخ کو آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم کی تفصیل معلوم نہیں، البتہ یہ متعین ہے کہ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی، پھر لکھنؤ جا کر علوم کی تکمیل کی، گھر پر والد سید قطب علی صاحبِ علم وفضل تھے، والدہ بھی دولت علم سے مالا مال تھیں، انھیں حضرات سے پڑھ پڑھا کر لکھنؤ پہنچے ہوں گے، لکھنؤ میں آپ کے اساتذہ میں سید حیدر علی فیض آبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جنھیں ردروافض میں خاص ملکہ تھا، بعض روایتوں میں شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ سے اور بعض میں شاہ عبدالعزیز دہلوی سے آپ کے استفادہ وتلمذ کا ذکر ہے جو صحیح نہیں، شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ سے استفادہ کیا ہے مگر دہلی جا کر نہیں سرحد پہنچ کر، لکھنؤ میں آپ جس وقت تعلیم پا رہے تھے اس وقت آپ کے والد سترہ آدمیوں کے ساتھ تکیہ شریف رائے بریلی گئے تھے تا کہ سید صاحب سے استفادہ ہوسکے، اس وجہ سے آپ سید احمد رحمہ اللہ سے سرحد جانے سے پہلے ملاقات نہیں کر سکے تھے مگر بالواسطہ آپ کے فیوض سے ضرور بہرہ ور ہوئے اور اس طرح کہ تعلیم سے فارغ

ہونے کے بعد سید صاحب کے پاس سرحد پہنچنے کے لیے بے تاب تھے، آپ چاہتے تھے کہ جہاد میں شریک ہوں اور آپ کے چھوٹے بھائی حسن علی چاہتے تھے کہ میں جاؤں، بہرحال آپ نے چھوٹے بھائی کو والدین کی خدمت کرتے رہنے پر کسی طرح راضی کرلیا اور کم وبیش دس مہینوں تک بڑی بڑی صعوبتیں برداشت کرتے اور بے شمار آزمائشوں کا سامنا کرتے ہوئے اپنے سفر میں ساتھ ہولینے والے مجاہد ہمراہیوں کی معیت میں ۴؍مارچ ۱۸۳۰ء کو پنجتار پہنچے ان دنوں سید احمد صاحب امب میں تھے، یہ حضرات مختلف جگہوں پر بعض ملاقاتیوں سے صرف مل کر بعض سے ملے بغیر امب کی طرف چل دیے، سید صاحب کو اس قافلہ کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی، پچاس آدمیوں کو لے کر کافی دور تک استقبال کے لیے آئے اور کافی دور ہی تھے کہ بآواز بلند السلام علیکم کہا اور مجاہدین سے کہا کہ دو صفیں بنالو جب **بسم اللہ اللہ اکبر** کہوں تو سب بندوقیں سر کرلو، اس طرح سید صاحب نے سید جعفر علی کا استقبال کیا، امب میں پہنچنے والے روز سے برابر راستے بھر آپ دیکھتے ہی رہے سید صاحب نے استقبال کرتے ہوئے فرمایا:

''تمہارے ساتھی کالے کالے لوگ ہیں مگر ہیں جواہرات'' (سیرت سید احمد شہید ۴۸۹/۲)

اس سے سید صاحب کی نظر میں اس قافلہ کی اور اس کے امیر کی جو وقعت سمجھ میں آتی ہے وہ ظاہر ہے، آپ کو آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر منشی خانہ میں داخل کرلیا گیا۔

منشی خانہ میں داخل ہونے کے بعد شیخ ولی محمد اور شیخ بلند بخت کی مہریں مولانا جعفر علی کے حوالہ کردی گئیں بعد میں شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی مہر بھی ان کے حوالہ کردی گئی، شاہ صاحب کا تحریری کام اکثر یہی کرتے تھے بلکہ اکثر اسلامی لشکر کے منشی

بھی ہوتے تھے، مولانا کو مستقل قلمدان بھی ملا تھا، آپ مختلف لشکروں کے میر منشی بھی مقرر ہوئے، خبروں کے تبییض کا کام بھی آپ کے ذمہ تھا۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ سے سید جعفر علی نقوی کے خصوصی تعلقات تھے، چنانچہ شاہ صاحب نے سید صاحب کی خواہش کے مطابق مشکوٰۃ کا درس دینا شروع کیا تھا، شاہ صاحب درس دیتے تھے اور سید صاحب اس کے اسرار و نکات بیان کرتے تھے، شاہ صاحب نے آپ کی ہمت افزائی کی اور خصوصی نظر رکھتے ہوئے استفادہ کا کافی موقع دیا، کبھی تمام حاضرین کے ساتھ اور کبھی تنہا انھیں پڑھاتے رہے، مولانا جعفر علی نقوی نے ستائیس سال کی قلیل مدت میں جہاد میں شرکت کی اور اپنی خداداد صلاحیتوں و قابلیتوں کی وجہ سے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے، لشکر کے نو جماعتوں کے تحت مختلف دستے تھے جن میں سے ایک دستہ کے امیر بھی مقرر ہوئے اور کبھی کبھار ایک بڑی جماعت کا امیر لشکر بھی مقرر کر دیا جاتا تھا، چنانچہ مولانا احمد اللہ ناگپوری کے لشکر کی قیادت آپ ہی نے کی، مولانا جعفر علی اپنے امراء و قائدین کے ایماء پر خطرناک سے خطرناک مشکلات کو زیر کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

سید احمد رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد یہ خیال کر کے کہ تبلیغ دین دوسرے طریقہ سے کی جائے گھر آنے کا ارادہ کیا، چنانچہ امیر وقت شیخ محمد پھلتی سے اجازت لے کر ۲ر ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۸ر جون ۱۸۳۱ء کو چند حضرات کے ساتھ وطن روانہ ہو گئے، گھر آنے کے بعد مولانا نے تبلیغ کے لیے ایک نیا انداز اختیار کیا، چنانچہ آپ کے پروگرام کے دو جزء تھے:۔

پہلا مدارس و مکاتب کا قیام۔

دوسرا تبلیغ وارشاد کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح۔

اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے گاؤں گاؤں ،شہر شہر مدارس و مکاتب کھولنے پر لوگوں کو ابھارا، یوپی کے پوربی اضلاع خصوصا بستی ، گونڈہ، گورکھپور،صوبہ بہار اور علاقہ ترائی نیپال میں کثرت سے اس قسم کے مدارس کھولتے ، پھر کسی کو نائب بنا کر دوسری جگہ قیام کی کوشش کرتے ، پھر وہاں کا نظم ونسق درست کر کے آگے بڑھ جاتے ، یہی وجہ ہے کہ کسی مدرسہ میں زیادہ دنوں تک نہیں رہے اور نہ ہی اس کا معیار ہی بلند ہوسکا، لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ لوگوں کے اندر دینی علوم پڑھنے پڑھانے کا جذبہ از سرنو ابھر آیا، مولانا نے ہر مدرسہ میں مالیات کی فراہمی کا ایک حلقہ مقرر کر دیا تھا، اس حلقہ والے ہی مدرسہ پر اس کے اخراجات بھیج دیتے تھے اور مدرسین کو جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

مولانا کے قائم کردہ مدارس کی تعداد بہت زیادہ ہے، اکثر و بیشتر مدارس حوادث زمانہ اور ہماری غفلتوں کی نذر ہو چکے ہیں ، چندوہ مدارس جواب تک کسی نہ کسی حالت میں باقی ہیں اور ہمیں ان کا علم ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) مدرسہ ہدایت المسلمین کرہی، ضلع بستی، یوپی (۲) مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ یوسف پور، ضلع بستی (یوپی) قیام ۱۸۵۴ء (۳) مدرسہ عربیہ سمرا ضلع چمپارن (بہار) (۴) مدرسہ عربیہ سمرا ضلع سیوان (بہار) (۵) مدرسہ عربیہ مادھوپور ضلع سیوان (بہار) (۶) مدرسہ عربیہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں (بستی) قیام ۱۸۶۲ء۔

مولانا سید جعفر علی نے بہار سے واپسی کے بعد اصلاح وتبلیغ کا کام اعلیٰ پیانہ پر کیا، وہ قوم جو شرک و بدعت اور رسومات قبیحہ میں مبتلا تھی اس کو اس سے نکالا، آپ نے ساری عمر تبلیغ میں گزاری، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دست مبارک پر لاتعداد آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں وہ کسی طرح مداہنت اور کسی رعایت کے

قائل نہ تھے، وہ حق بات کو برملا حق کہتے اور منکرات پر نکیر کرتے تھے، جو علاقے مولانا کی خصوصی جولانگاہ تھے وہاں اب تک بدعات و رسومات کم ہیں، جہاد سے واپسی کے بعد موصوف کا بیشتر وقت اصلاحی و تبلیغی دوروں میں گزرا، سفر کے اس پر مشقت اور بے وسائل دور میں سیکڑوں میل کے علاقہ میں دورہ فرماتے، یہ علاقہ ہمالیہ کی ترائی (گونڈہ، بستی و گورکھپور) سے لے کر چمپارن تک چلا گیا ہے، نیپال کا ترائی والا علاقہ بھی اس میں شامل ہے، اپنے تبلیغی مشن کو کامیاب بنانے میں ان کی فیاض طبیعت کا کافی دخل تھا، وہ ماحول کے اعتبار سے نہایت سلجھے انداز میں اپنی بات پیش کرتے تھے، جس سے لوگوں پر اچھا اثر پڑتا تھا، ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے جور و استبداد سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ مولانا جعفر علی نے بھی بڑھ چڑھ کر جہاد حریت میں حصہ لیا، اپنے علاقہ میں علم حریت بلند کیا اور مجاہدین کا پورا ساتھ دیا، آخر کار آپ بھی معتوب ہوئے، جب انگریزوں نے حالات پر قابو پایا تو آپ کے گاؤں مجھوا امیر کا گھیراؤ کیا مگر خوش قسمتی سے اس وقت مولانا نیپال میں اپنے مریدوں کے یہاں مقیم تھے، اس لیے محفوظ رہے، آپ کے اعزہ بھی روپوش ہو گئے تھے، مالی نقصان کافی ہوا اور اس خاندان کی جاگیریں واپس لے لی گئیں، مولانا کو انگریزوں سے کافی نفرت تھی، ان کی صورت بھی دیکھنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ عدالت میں جانے کا اتفاق ہوا تو چہرہ پر پردہ ڈال کر گئے تاکہ کسی انگریز سے سامنا نہ ہو، اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سید صاحب کی تحریک جہاد صرف سکھوں کے خلاف نہ تھی بلکہ انگریزوں کے خلاف بھی تھی، اگرچہ جغرافیائی حالات اور بعض دیگر اسباب کی بناء پر علاقہ سرحد کی طرف ہجرت کے بعد سکھوں کے خلاف ہی فوج کشی کی گئی، مولانا جعفر علی صاحب صرف ایک مجاہد اور پیر طریقت ہی نہیں تھے، بلکہ ایک ممتاز عالم دین بھی تھے، علوم عقلیہ

ونقلیہ میں پوری مہارت حاصل تھی۔

مولانا خالص اہل حدیث تھے، شاہ ولی اللہ وشاہ محمد اسماعیل کی طرح قرآن وسنت کو اپنا ماخذ سمجھتے تھے، تقلید سے کوسوں دور تھے، بعض لوگوں نے آپ کو حنفی بتلا کر اپنی کوتاہ نظری کا ثبوت ہی نہیں دیا، بلکہ اپنی تاریخی معلومات میں کم علمی کا بھی ثبوت دیا ہے، جتنے مدارس آپ نے قائم کیے وہ سب اہل حدیثوں ہی کے ہیں اور وہ آپ ہی کے مسلک کے ترجمان رہے ہیں، اس سے بھی آپ کا اہل حدیث ہونا ثابت ہے، نگاہ میں کافی توسع تھا، ائمہ اربعہ کے مذاہب اور ان کے دلائل پر بڑی اچھی نظر تھی، افسوس کہ چند مکاتیب اور فتوؤں کے سوا آپ کے سارے علمی رسائل ضائع ہوگئے، وفات سے چند روز پہلے آپ نے اپنے ورثاء اور مریدین کے لیے چھ وصیتیں تحریر کیں، آپ کی کئی کتابیں ضائع ہوگئیں، صرف دو مطبوعہ کتابیں باقی ہیں اور دو غیر مطبوعہ ان کا تعارف ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

ا۔ وصایا:۔ مولانا نے انتقال سے چند روز پہلے اپنے ورثاء، خلفاء، متعلقین و مریدین کے لیے ایک طویل وصیت نامہ تیار کیا تھا، جو چھ وصیتوں پر مشتمل ہے، اس میں دنیا کی بے ثباتی، موت کا عبرت آموز منظر پیش کر کے، موت سے پہلے تلقین کے آداب اور موت کے بعد تکفین وتدفین کا مسنون طریقہ، اعزہ واقرباء اور پسماندگان کو صبر ورضا کی تعلیم اور جزع وفزع اور نوحہ سے احتراز کی تاکید فرماتے ہوئے مردہ کے پسماندگان کے ساتھ سلوک کا مسنون طریقہ بتایا ہے اور نہایت ہی متانت سے ان خودساختہ بدعات کا ابطال دلائل کی روشنی میں واضح کردیا ہے، جو جہالت یا ہنود کے اثر سے مسلمانوں میں رائج ہوئیں، یہ کتاب کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور سے شائع ہوئی اور بڑے سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہے، اب وصایا نایاب ہے اس کی زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہے، سو سال قبل ایسی سلیس شستہ اردو کا رواج بہت کم تھا، پھر

بھی آپ نے اس طرز سے لکھا۔

ان وصایا کا مطالعہ کرنے سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں (۱) سنت کی اتباع کا غیر معمولی جوش و جذبہ اور رسوم و بدعات سے بے انتہا نفرت (۲) علوم اسلامیہ خصوصاً حدیث وفقہ میں پوری مہارت، وسعت مطالعہ اور نظر کی گہرائی۔

۲۔ ''جواب السائلین'':۔ مولانا کے چند فتاویٰ کو مرتب کر کے کسی نے یہ کتاب شائع کی۔

۳۔ **''منظورة السعداء في أحوال الغزاة والشهداء''**:. یہ کتاب سید صاحب کے حالات اور تحریک کے بارے میں بہت مستند اور مبسوط ہے، یہ کتاب فارسی میں ہے، سید صاحب پر کام کرنے والے حضرات مثلاً مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ نے اس کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے، لیکن اب تک یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی اس کتاب کا تاریخی نام ''تاریخ احمدیہ'' ہے جس سے تاریخ تالیف ۱۲۷۳ھ نکلتی ہے۔

۴۔ مولانا کے مکاتیب کا مجموعہ جو غیر مطبوع ہے۔

چند روز بیمار رہ کر ۲۰/رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ، نومبر ۱۸۷۱ء میں علم و عمل کا یہ درخشاں آفتاب اپنے آبائی وطن مجھو امیر میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

مندرجہ ذیل رباعی سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

حاجی حرمین بود و سید عالی مکاں ... رہنمائے سالکان و پیشوائے عارفاں
سال تاریخ وفاتش از سروش آمد بگوش ... عاجزا گو ''غازی ہادی و علامہ زماں''

وفات سے قبل آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک آراستہ مکان میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور سید احمد و شاہ محمد اسماعیل رحمہم اللہ اور کچھ اور حضرات کرسیوں پر بیٹھے

ہوئے ہیں، ایک کرسی خالی ہے ایک صاحب نے سوال کیا، یہ کرسی کس کے لیے ہے؟ جواب ملا مولوی جعفر علی کے لیے، یہ خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی اور سجدۂ شکر میں گر گئے۔

مولانا سید جعفر کی دو شادیاں ہوئی تھیں، ایک خاندان میں کی تھی یہ بی بی عمر میں سید صاحب سے بڑی تھیں۔

دوسری شادی سید احمد علی رامپوری کی صاحبزادی سے کی جن کا نام فاطمہ بی بی تھا۔

دونوں آپ کی وفات کے بعد کافی دنوں تک باحیات رہیں، اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی جس کا نام سیدہ زینب تھا، جس کی شادی محلّہ قافلہ ٹونک کے سید شریف حسن بن سید مہدی حسن سے ہوئی تھی، آپ نے مولانا سید باقر علی کو اپنا جانشین بنایا۔

(۹)

مولانا جعفر علی مرغہوا (بستی)

(بروایت ڈاکٹر سید احمد بن حکیم جمیل احمد)

مولانا جعفر صاحب ٹونک کے ایک غریب گھرانے کے صاحب علم بزرگ تھے، دادا مرحوم (مولانا لیاقت حسین) کے رفقاء درس میں تھے، ساتھ فراغت ہوئی تو دادا مرحوم نے اپنے ساتھ مرغہوا میں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی، آپ ساتھ آئے اور دادا مرحوم کی فیاضیوں سے مستفیض ہوئے۔(مکمل حالات کے لیے ملاحظہ ہو مولانا لیاقت حسین کا ترجمہ)

تقریباً پوری عمر مرغہوا (اٹوا) اور اس کے نواح میں گزار دی اور برابر دینی خدمات انجام دیتے رہے، ۱۹۵۵ء میں اپنے چھوٹے لڑکے شفیع احمد کے ساتھ مرغہوا وغیرہ کی زمین اور سارا اثاثہ فروخت کر کے بھوپال ہوتے ہوئے کراچی (پاکستان) چلے گئے

اور کراچی ہی میں غالباً ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء میں انتقال فرمایا۔

آپ کے بڑے لڑکے نذیر احمد بھوپال میں ایک گورنمنٹ شفاخانہ میں ملازم تھے اب ریٹائرڈ ہو کر بھوپال ہی میں قیام پذیر ہیں۔

مولانا جعفر صاحب کی اولاد میں دو بچے اور دو بچیاں ہیں۔

(۱۰)

حکیم جمیل احمد مرغہوا (بستی)

(نوشتہ مولانا رفیق احمد سلفی ایڈیٹر ماہنامہ ''التوعیۃ'' دہلی، و برادرزادہ صاحبِ تذکرہ)

آپ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۵ء میں ضلع بستی کے ایک باثر علمی خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے دادا مولانا لیاقت حسین صاحب شیخ حسین بن محسن انصاری (متوفی ۱۳۲۷ھ) کے شاگرد اور اپنے علاقے کے مشہور عالم وداعی اور مجاہد تھے، بستی و گونڈہ اور اس کے اطراف کے اضلاع اور نیپال کے سرحدی علاقوں میں مسلک سلف کی نشر و اشاعت میں ان کا بھرپور حصہ رہا ہے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے گھر ہی پر اپنے دادا مرحوم کی نگرانی میں حاصل کی، اس کے بعد درس نظامیہ کی تحصیل کے لیے کنز العلوم ٹانڈہ اور جامعہ رحمانیہ بنارس کا سفر کیا، جہاں آپ نے مولانا منیر خاں، مولانا عبد الغفار حسن اور مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈانگری جیسے قابل اساتذہ سے تفسیر و حدیث فقہ و ادب بلاغت اور منطق و فلسفہ وغیرہ علوم پڑھے۔ درس نظامیہ کی تکمیل سے فارغ ہونے کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۸ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد کچھ دنوں تک اپنے سگے خالہ زاد بھائی اور مشہور تجربہ کار نباض حکیم مقبول احمد صاحب کی زیر نگرانی تشخیص و تجویز کی مشق کرتے رہے، ۱۹۴۰ء میں اپنے آبائی گاؤں مرغہوا میں اپنا ذاتی مطب شروع کیا اور ایک ماہر اور حاذق طبیب کی حیثیت سے بہت جلد پورے علاقے میں مشہور ہو گئے۔ دور دور

سے لوگ آپ کے پاس علاج کے لیے آتے اور شفایاب ہو کر جاتے، بعد میں لوگوں کے اصرار پر آپ نے اپنا مطب اس علاقہ کے مرکزی مقام اٹوا میں منتقل کرلیا جو آج بھی بیماروں، دکھیوں اور زندگی سے مایوس مریضوں کا مرجع بنا ہوا ہے۔

آپ اخلاق وشرافت کے پیکر، باوقار اور دل نواز شخصیت کے مالک تھے، ہندو مسلم اور سکھ سبھی طبقہ کے لوگ آپ کو عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے اختلافی معاملات ومسائل میں آپ کو اپنا فیصل وحکم بناتے تھے۔

علم اور اہل علم دونوں سے آپ کو بے پناہ محبت تھی، علاقہ سے جہالت وناخواندگی دور کرنے اور نونہالان قوم کو زیور علم سے آراستہ کرنے کے لیے آپ نے ۱۹۵۷ء میں مدرسہ دارالتوحید (میناعیدگاہ) قائم کیا اور ۱۹۷۱ء میں مدرسہ اتحاد ملت کے نام سے اٹوا بازار میں بھی ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی، اس وقت یہ دونوں ادارے بستی و گونڈہ کے مشہور ومعروف اداروں میں شمار کیے جاتے ہیں اول الذکر مدرسہ کے آپ تاحیات ناظم رہے اور اس کی ترقی واستحکام کے لیے آپ نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

۱۰؍جولائی ۱۹۷۵ء میں حبس البول کے عارضہ میں گونڈہ شہر میں آپ کا انتقال ہوا، جنازہ آپ کے وطن لایا گیا، جہاں چار ہزار سے زائد افراد نے جنازہ میں شرکت کی اور آپ کے آبائی قبرستان میں آپ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوئی۔

اللهم اغفر له وارحمه.

ح

(۱۱)

مولانا حشم اللہ اونرہوا (گونڈہ)

مولانا حشم اللہ راج بہادر نے ابتدائی تعلیم گاؤں ہی پر مولانا مصاحب علی اور میاں گوہر علی وغیرہ سے حاصل کی اور آخری تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں تشریف لے گئے اور سند فراغت حاصل کی، خدمت دین کا جذبہ تھا، چنانچہ گاؤں کے باہر ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جو اب تک دین کی خدمت کررہا ہے، آپ نے اس میں تدریس کا اور گاؤں نیز علاقہ میں دعوت وتبلیغ کا مشن جاری رکھا، تعلیم مکتب اور فارسی تک کی تھی یہ مکتب اب بھی جاری ہے اور ضلع گونڈہ کے اچھے مکاتب میں ایک ہے، مولانا کا انتقال ۱۹۵۷ء یا ۱۹۵۸ء میں ہوا، آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

۞۞۞

خ

(۱۲)

مولانا خلیل احمد بسکوہر (بستی)

نام خلیل احمد بن عبدالحمید ابتدائی تعلیم مولانا اللہ بخش صاحب سے پائی، اس کے بعد مدرسہ حاجی علی جان دہلی میں فراغت پائی، تقریر بہت عمدہ کہتے تھے، پان اور حقہ کے عادی اور ملنسار تھے، شادی پچپڑوا کی اور برگدوا بسکوہر اور جھنڈے نگر میں مدرس رہے۔

شاگردوں میں مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا شکراللہ سمرہنوی، مولانا محمد اسحاق رحمانی گونڈوی، مولانا محمد صدیق بسکوہری ہیں، آپ تجربہ کار طبیب بھی تھے، کوئلہ باسا میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۱۳)

مولانا خلیل الرحمٰن بھٹ پرا (بستی)

والد کا نام باقر علی تھا، بھٹ پرا تحصیل نوگڑھ، ضلع بستی کے رہنے والے، ولادت ۱۹۱۸ء میں ہوئی، ابتدائی عربی تعلیم مولانا محمد یٰسین بونڈیہاری سے حاصل کی جو اُن دنوں مفتاح العلوم بھٹ پرا میں مدرس تھے۔ فارسی تعلیم بھی آپ سے ہی پائی اور مولانا احمد حسین (ترکلھا، نیپال) سے بھی استفادہ کیا، آپ میاں صاحب کے تلامذہ میں سے تھے، دوسری اور تیسری جماعت دارالحدیث میں پڑھی، مولانا شائق، مولانا احمد اور مولانا عبدالرحمٰن نحوی سے کسب فیض کیا، مدرسہ حاجی علی جان، دہلی میں مولانا عبدالسلام رحمانی سے پڑھا، آخر میں دورۂ حدیث دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں کیا۔

فراغت کے بعد مفتاح العلوم بھٹ پرا میں مدرس ہوئے ،شروع میں صرف اردو پڑھاتے رہے، بعد میں عربی تعلیم بھی آپ دینے لگے، آپ ایک زمانہ سے مدرسہ مفتاح العلوم کے مدرس اور ناظم تھے، علاقہ میں دین کی تبلیغ اور سلفیت کی ترویج میں اس مدرسہ نے اہم رول ادا کیا ہے۔

(دہلی میں مدرسہ ریاض العلوم میں مولانا سے ایک ملاقات کے دوران حاصل کی گئی معلومات)

آپ کی اولاد میں مولانا ڈاکٹر عبدالوہاب اور مولانا سیف الاسلام نامور ہیں ، ڈاکٹر صاحب دارالحدیث الخیریۃ مکہ مکرمہ میں مدرس ہیں۔

د

(۱۴)

میاں دانش علی نَدَ یا (بستی)

آپ موضع نَدَ یا کے رہنے والے تھے، عالم دین نہیں تھے، مگر طبابت میں ید طولیٰ رکھتے تھے، علماء کی صحبت خصوصاً مولانا جعفر علی نقوی کے فیوض سے بہرہ ور تھے، آپ کا حلقۂ طبابت حلقۂ دعوت بھی ہوتا تھا، علاقہ میں گھوم گھوم کر دونوں کام انجام دیا کرتے تھے، تقویٰ اور پرہیز گاری کا کیا پوچھنا، آپ کو سید جعفر علی صاحب نے اپنا خلیفہ بھی مقرر کیا تھا، اوسان کوئیاں آپ بہت آتے جاتے تھے اور یہاں کے لوگ آپ کے معتقدین میں سے تھے، ایک طرف مدرسہ سے دینی علوم و معارف کے علم بردار مولانا محمد دین پنجابی، مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ والے اور مولانا اللہ بخش بسکو ہری وغیرہ سے استفادہ کا موقع مل جاتا، دوسری طرف دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے اور تیسری طرف طبابت کے ذریعہ خدمت خلق کرتے اور بال بچوں کی روزی کا بندوبست بھی ہو جاتا۔

آپ کی حکمت دانی سے متعلق یہ واقعہ اہل اوسان کوئیاں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب آپ اوسان کوئیاں پہنچے تو ایک شخص کا نبض دیکھا، عادت کے برخلاف کچھ دوا بتانے اور تشخیص کرنے کے بجائے اپنے گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا اور فوراً روانہ ہو گئے لوگوں نے بہت اصرار سے روکا، مگر نہ رکے وجہ پوچھی گئی تو صرف ایک آدمی کو بتایا کہ مریض رات ہی میں فوت ہو جائے گا، چنانچہ واقعہ یوں ہی ہوا۔ آپ چوں کہ عالم دین نہ تھے، اس لیے آپ کی شدید رغبت تھی کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائیں

چنانچہ ہمیں آپ کے پوتے مولانا مظفر صاحب عالم دین نظر آتے ہیں۔ آپ بزرگوں کے ذریعہ بدعات وخرافات کا زور ٹوٹا اور سنت کی ترویج ہوئی۔

(۱۵)

مولانا دیانت اللہ سمرا (بستی)

مولانا دیانت اللہ کے والد کا نام تھا ''چودھری مٹھو'' وطن تھانہ اٹوا سے متصل سمرا نامی گاؤں، مگر ایسا لگتا ہے کہ مولانا لیاقت حسین (مرغہوا) کے یہاں کافی آنا جانا تھا اور وہاں بھی ابتدائی ایام میں رہا کرتے تھے، آپ نے مولانا لیاقت صاحب کے ساتھ مولانا اللہ بخش بسکوہری سے کسب فیض کیا، مولانا محمد بشیر سہسوانی سے بھوپال میں استفادہ کیا، آرہ میں مولانا عبدالنور صاحب سے پڑھا، فراغت کے بارے میں خیال ہے کہ مولانا لیاقت حسین کے ساتھ مدرسہ حاجی علی جان دہلی سے منسلک ہوں گے۔

۞۞۞

ذ

(۱۶)

مولانا ذکر اللہ صاحب ذاکر ندوی بسکو ہر (بستی)

مولانا عبدالغفور بسکو ہری کے فرزند ارجمند ہیں، اچھے عالم اور برجستہ گوشاعر ہیں، ندوہ سے فراغت کی ہے، تالیف اور مشق سخن میں اکثر اوقات گزارتے ہیں، خدمت دین کا جذبہ ہے، آپ نے شاہنامہ اسلام کے طرز پر فاروق نامہ لکھا، اس کے تین اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔

مدحیہ شاعری میں خاصا امتیاز حاصل ہے، قرب ونزدیک کے جلسوں میں برابر حاضر ہوتے اور سامعین کو جوش دلاتے ہیں۔

آپ کا قلم کافی سیال ہے، آپ نے اب تک فاروق نامہ کی تین جلدیں (نظم) معلم نماز وصلاح الدین اعظم (نظم) امیر فیصل (نظم) پیار کا دیس اور ذکر الادیب نامی کتابیں اور شعری مجموعے پیش کیے ہیں۔ ۵۵، ۶۰ رسال کی عمر ہوگی، مگر جواں ہمت ہیں اور جواں عمل بھی۔

ر

(۱۷)

مولانا رئیس الاحرار ندوی بھٹیا (بستی)

نام محمد رئیس بن سخاوت علی بن محمد باقر جہانگیر، آبائی وطن موضع بھٹیا، پوسٹ مروٹیا بازار، بستی ہے، جولائی ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔

دستور کے مطابق ضروری مذہبی تعلیم مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد پرائمری اسکول اور مڈل اسکول میں داخل ہوئے، آپ کا یہ سلسلۂ تعلیم ۱۹۵۲ء تک جاری رہا، پھر دینی علوم کا شوق پیدا ہوا تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک شاخ مدرسہ عالیہ بدریہ پکا بازار بستی میں داخل ہوئے، ابتدائی عربی درجات کی تکمیل وہیں ہوئی، ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عالمیت سال آخر میں داخلہ لیا، تین سال تک یہاں استفادہ کرتے رہے اور ۱۹۶۰ء میں ندوۃ سے فراغت حاصل کر لی۔

فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ پکا بازار بستی میں تدریسی خدمات پر مقرر ہوئے، ڈیڑھ سال کے بعد آپ کو ندوہ طلب کیا گیا اور تدریسی ذمہ داری سونپی گئی، چھ ماہ گزرے تھے کہ حالات نے ندوہ چھوڑنے کا تقاضا کیا، اس لیے ۱۹۶۲ء میں نیپال کی عربی درس گاہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں مدرس مقرر ہوئے، دو سال تک یہ خدمت کی تھی کہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تقرری ہوئی، مسلسل پانچ سال تک آپ دربھنگہ میں رہے اور تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے، جب مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا تو آپ کی ضرورت محسوس کی گئی اور ۱۹۶۹ء میں آپ کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس بلا لیا گیا، اب برابر

اس عظیم درس گاہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔(۱۹۸۳ء)

جھنڈانگر کی تدریسی زندگی میں دعوت وتبلیغ کے لیے باہر نکلنا اور مدرسہ پر تمام اساتذہ وطلبہ کے سامنے برابر فجر بعد درس قرآن دینا آپ کا معمول تھا۔

تدریسی خدمات کے علاوہ آپ نے اپنے گاؤں کے مدرسہ معین العلوم کا انتظام وانصرام فراغت کے بعد ہی سے سنبھال رکھا ہے نیز جامعۃ الحق السّلفیہ(مقام بانسی) کے انتظامی امور میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

خدمات کا دوسرا عظیم شعبہ تصنیف وتالیف بھی آپ کی کاوشوں سے محروم نہیں رہا ہے، چنانچہ آپ نے اب تک چھوٹی بڑی تقریباً دس کتابیں تیار کی ہیں، ذیل میں ان کا سرسری خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

ا۔"اللمحات إلى مافي أنوار الباري من الظلمات"ابوالمکرّم صاحب نے صحیح بخاری پر جوزبانی طعن کھولی تھی اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور مسکت جوابات دیے گئے ہیں، کتاب چار جلدوں میں آئے گی، دوجلدیں شائع ہوچکی ہیں، دوجلدیں جلد آئیں گی۔

(۲)"قول سدید: بجواب محبان یزید"حضرت حسین کی شہادت اور معرکۂ کربلا سے متعلق ایک تحقیقی اور غیر جانبدارانہ جائزہ جس کی تحسین مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کی، اس کا ایک حصہ قسط وار الہدی دربھنگہ میں شائع ہوا۔

(۳)"تحویل قبلہ"جمعیت اہل حدیث کشمیر نے اسے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا، اس میں مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی کے بعض ہفوات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۴)"تصحیح العقائد"بریلوی مولوی عتیق الرحمٰن اکرہروی کے ہفوات کے تردید

کے سلسلے کی آخری کتاب ہے۔

(۵) ''ألإبانة'' طلاق ثلاثہ پر لکھی گئی، اسے دو حصے میں کر کے ایک حصہ دربھنگہ میں شائع کیا دوسرا باقی رہا، یہ کتاب ۴۰۰ رصفحات پر آسکتی تھی اور مثبت انداز پر لکھی گئی تھی۔

(۶) ''ایک مجلس کی تین طلاقیں'' مدیر تجلی کے ہفوات کا جواب، قسط وار ترجمان دہلی میں شائع ہوتا رہا تا آنکہ عامر عثمانی کا انتقال ہوا، تو بعض ذمہ داران ترجمان نے اسے وہیں روک دینا مناسب سمجھا، جب کہ مؤلف کی خواہش تھی کہ مکمل شائع ہو جائے۔

(۷) محرم، صفر، ربیع الاول، ذی القعدہ اور ذی الحجہ میں سے ہر مہینہ سے متعلق آپ نے تفصیل سے لکھا ہے اور ان مہینوں کے فضائل اور ان کے اندر رونما ہونے والے مسائل و حادثات اور ان کے احکام پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور محرم کے ضمن میں سن ہجری کی ابتداء سے متعلق بھی انتہائی کاوش سے معلومات فراہم کی ہیں۔

(۸) امام المغازی محمد بن اسحاق، صوت الجامعہ میں قسط وار شائع ہوا۔

(۹) مولانا نذیر احمد املوی (مقالہ) اہل حدیث دہلی میں چھ قسطوں میں شائع ہوا۔

(۱۰) رکعات تراویح (مقالہ) اہل حدیث دہلی میں چھ قسطوں میں شائع ہوا۔

۞۞۞

ز

(۱۸)

مولانا زین اللہ کونڈؤں (گونڈہ)

بروایت ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن بن مولانا زین اللہ (مدینہ طیبہ)

مولد و مسکن کونڈؤں، ابتدائی تعلیم مولانا محمد یٰسین اور مولانا محمد یونس صاحبان سے بونڈ یہار میں حاصل کی، کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پورہ (بستی) میں بھی پڑھا ہے، ممکن ہے آپ مولانا محمد یٰسین صاحب کے ساتھ یہاں آئے ہوں، تعلیم کی تکمیل دیوبند میں کی اور ممتاز ترین طلبہ میں رہے، فراغت کے بعد غالباً سب سے پہلے بونڈ یہار مدرسہ سراج العلوم میں کچھ دنوں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے اور جب ۱۹۴۷ء کے بعد کلکتہ میں مدرسہ رحمانیہ قائم ہوا تو مولانا عبدالوہاب آروی وغیرہ کے ساتھ کچھ دنوں تک حدیث وتفسیر وغیرہ کا درس دیا، نیز بعض اوقات بعض کتابیں کسی کسی کو کلکتہ میں اپنے گھر ہی پر پڑھائیں، آپ نے جن چند جگہوں پر درس وتدریس کا کام کیا وہ بلا معاوضہ تھا، پھر آپ نے تیل کی ایک دوکان کلکتہ میں چلائی اور زندگی بھر کا یہی اصل شغل رہا، لیکن تبلیغ دین سے غافل بھی نہیں رہے۔

پورنیا میں جماعت اسلامی سے مناظرہ کیا، اڑیسہ میں قادیانیوں سے اور کلکتہ میں بعض بدعقیدہ لوگوں سے آپ نے ٹکر لی اور جماعت کی دھاک بٹھادی، آپ جماعت اسلامی کے لیے کھلی تلوار تھے۔

حدیث پر گہری نظر تھی، تقریر نہایت صاف شستہ اور مؤثر ہوتی تھی، قوت گویائی،

زبان میں سلاست وروانی اور باریک بینی اور گہرائی و گیرائی آپ کی تقریروں میں نمایاں تھی، یہی وجہ تھی کہ اگر اسے قلم بند کرلیا جاتا تو ایک مناسب مضمون اور مقالہ تیار ہوجاتا، اللہ کی قدرت تقریر میں یہ قوت، تحریر سے یکسر محروم رکھا حتی کہ چند جملے بھی صحیح نہیں لکھ سکتے تھے۔

آپ کا شیوہ تھا کہ اہل علم کی مجلس میں علم سے اور جاہلوں میں قوتِ بازو اور جرأت مندانہ اقدام سے کام لے کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے، کونڈؤں اور بونڈیہار کی تعزیہ پرستی اور مختلف رسوم کو مٹانے میں آپ کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

آپ کی ایک صفت حق گوئی و بے باکی کی بڑی تعریف کی جاتی ہے، نیز سلام کرنے میں پہل کرلینا بھی ایک بڑی خوبی تھی، مجال کیا تھی کہ کوئی عزم کر کے جائے کہ سلام کرنے میں آپ پر سبقت لے جائے گا اور واقعتاً پہلے سلام کرلے۔

مولانا عبدالحمید رحمانی کا بیان ہے کہ کلکتہ میں ایک مرتبہ انھوں نے بہت دور سے کافی بلند آواز سے سلام کیا، اس دن آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ کوئی اہل حدیث ہی مجھ کو شکست دے سکا ہے، آپ حاضر جواب مناظر، مصلح داعی اور ذہین عالم تھے، ۱۹۷۵ء مطابق ۱۳۹۰ھ میں وفات پائی، اولاد میں ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن جو جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ سے حدیث کے موضوع پر پی. ایچ. ڈی. کرکے ۱۴۰۳ھ میں فارغ ہوئے ہیں، قابل ذکر ہیں۔

ش

(۱۹)

مولانا شریف حسن نقوی (بستی)

ٹونک کے رہنے والے تھے بواسطہ خلافت سید جعفر علی کی جگہ پر بستی میں رہے، مولانا عبدالجلیل رحمانی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”آپ (سید جعفر علی نقوی) کے داماد علامہ شریف حسن مرحوم بڑے جید عالم فاضل تھے، آپ امراض باطنیہ کے طبیب تھے تو امراض ظاہریہ کے حکیم، متبع سنت بزرگ تھے، عامل بالحدیث اور صاحب تصنیف بھی، زمانہ ہوا دینیات کی ایک کتاب آپ کی تصنیف غالباً جس کا نام ”صلوٰۃ النبی“ ہے نظر سے گزری ہے۔“

(خطبۂ صدارت برائے اجلاس اول دارالعلوم ششہنیاں منعقدہ ۵،۶ /اپریل ۱۹۴۵ء ص:۵)

مولانا غلام رسول مہر سید عبدالسلام (جو سید جعفر علی نقوی کے خاندان کے ایک فرد ہیں) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سید جعفر علی کی صاحبزادی سیدہ زینب کی شادی محلّہ قافلہ ٹونک کے سید شریف حسن بن سید مہدی حسن سے ہوئی تھی، وہی سید جعفر کے خلیفہ مقرر ہوئے لاولد رہے اور انھیں سیدہ زینب کے ذریعہ جو جائداد ملی تھی وہ اپنے بھائی سید لطیف حسن کے نام ہبہ کردی۔“ (جماعت مجاہدین ص:۳۱۰) اس سے ظاہر ہے کہ آپ بستی میں سید جعفر صاحب کے خلیفہ تھے اور ان کے بعد دینی خدمات اور تبلیغ سلفیت میں برابر کوشاں رہے۔

(۲۰)

مولانا شکر اللہ اوسان کوئیاں (بستی)

مولانا شکر اللہ کا وطن اوسان کوئیاں ہے، گاؤں کے مدرسہ مظہر العلوم میں مولانا دین محمد محدث پنجابی کے شاگرد رہے، مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ اور مولانا اللہ بخش سے استفادہ کیا اور یہیں فراغت حاصل کی، بڑے خوش الحان اور خوش بیان واعظ تھے، تبلیغ ودعوت کے جذبات سے سرشار تھے اور اس کے لیے دورہ کیا کرتے تھے، جوانی ہی میں انتقال فرما گئے، انتقال کا زمانہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی ہوگی۔

(۲۱)

مولانا شکر اللہ ٹکریا (بستی)

ٹکریا تحصیل ڈومریا گنج بستی میں ایک گاؤں ہے، اس گاؤں نے بہت سے علماء پیدا کیے ہیں، ان میں مولانا شکر اللہ بن حشمت اللہ ہیں، آپ کی ولادت اسی گاؤں میں ۱۹۲۱ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں پر ہوئی اور یہیں مولانا ممتاز علی اور مولانا اقبال حسین سے کسب فیض کیا، دو سال مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں پڑھا، اولاً مولانا محمد سلیمان مئوی سے اور ان کے چلے جانے کے بعد مولانا محمد یٰسین سے استفادہ کیا، آپ یہاں کے مدرس اول تھے ۳۴-۱۹۳۳ء کا زمانہ رہا ہوگا کہ کم سنی ہی میں مدرسہ فیض عام مئو کی شہرت سن کر وہاں چلے گئے، ثانیہ وثالثہ کی تعلیم یہاں پائی پھر شوق وذوق نے دہلی پہنچا دیا، یہاں مدرسہ حاجی علی جان میں داخل ہوئے اور ایک سال رہ کر پھر مدرسہ فیض عام مئو لوٹ آئے اور یہیں سے ۱۹۳۹ء میں فراغت حاصل کی، جلسہ دستار بندی بڑے طمطراق سے ہوا، اس میں اس وقت کے بڑے بڑے علماء آئے تھے جن میں سے مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا میر سیالکوٹی، مولانا سیف

بنارسی، مولانا عبیدالرحمان دہلوی، مولانا عبدالحنان دہلوی ایڈیٹر اہل حدیث گزٹ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ فارغین کی دستار بندی مولانا امرتسری اور مولانا سیالکوٹی کے ہاتھوں عمل میں آئی اور انھیں حضرات نے انعامات تقسیم کیے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں۔

اسی سال غازی پور مدرسہ چشمۂ رحمت سے عالم کا امتحان دیا اور پھر ۱۹۴۱ء میں فاضل ادب عربی اور اردو اعلیٰ قابلیت کا امتحان پاس کر کے گھر لوٹے۔ کچھ دنوں بعد مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی کی طلب پر دہلی گئے اور مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی نے آپ کو حاجی محمد سلیم کے ساتھ کلکتہ کولوٹولہ کا امام بنا کر بھیج دیا، ۱۹۴۲ء میں جب جاپانیوں نے کلکتہ کا پل توڑنے کے لیے حملہ کیا تو لوگوں میں بہت بھگدڑ مچی، مسجد خالی ہوگئی تو آپ رخصت لے کر گھر چلے آئے اور پھر مولانا خالد العربی صدیقی کی طلب پر مدرسہ الاصلاح جنیت گڑھ ضلع سنگھ بھوم کی تدریس سنبھالی، ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک بخوبی پڑھاتے رہے بعد ازیں والد کے حج پر جانے کی وجہ سے تقریباً ایک سال گھر رہنا پڑا، پھر ریواں میں مدرس ہوئے، ۵۲۔۱۹۵۱ء کے قحط میں مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں نے دم توڑ دیا تھا اس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی ناظم اور آپ مدرس مقرر ہوئے، جہاں ۱۹۵۶ء تک خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا سے منسلک ہوئے اور برابر اس میں درس و تدریس کا سلسلہ ہے، مدرسہ کے صدر مدرس ہیں، مفتاح العلوم کی تاسیس میں مولانا عبدالغفور ٹکریاوی کے معاون ہیں، ایک زمانے سے مبروص ہیں، علم اچھا ہے اخلاق و عادات کا کیا پوچھنا، غالباً ۱۹۸۱ء میں ریاض العلوم دہلی کے صدر مدرس رہے اور اب ۱۹۸۳ء میں خواجہ سلیم کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ شاہ عبدالعزیز دہلی کے اندر پڑھا رہے ہیں، اولاد میں مولانا محمد احمد اور مولوی جمیل احمد، ڈاکٹر مختار احمد اور مولانا فضل اللہ ندوی قابل ذکر ہیں:

۲۹ راگست ۲۰۰۵ء میں گھر پر وفات ہوئی۔

(۲۲)

مولانا شکر اللہ سمرہن (گونڈہ)

مولانا شکر اللہ کی پیدائش ہندوستان کی شمالی سرحد ضلع گونڈہ کے ایک گاؤں سمرہن میں ہوئی جو ضلع کے مشہور قصبہ تلشی پور سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔آپ کے والد کا نام برکت اللہ[1] تھا، یہ پڑھے لکھے نہ تھے جس کی بناء پر آپ کی تاریخ پیدائش کا بھی اہتمام نہیں کیا گیا، جس طرح آگے چل کر آپ کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی گئی البتہ خیال ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان ہونی چاہیے، آپ نے دیہاتی ماحول میں مکتب کے ابتدائی درجات کی تعلیم کسی طرح حاصل کی جسے آپ کے چچا عبدالغنی عرف زمیندار نے دلائی تھی، غالبا یہ تعلیمی زمانہ اس وقت ختم ہوا جب آپ کو علم کے فوائد اور جہالت کے نقصانات کا شعور ہونے لگا، آپ کا بیان ہے کہ میں ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع گونڈہ یوپی میں عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل ہو گیا۔[2]

اس موقع پر آپ نے ان مشکلات کا ذکر کیا ہے جو آپ کو تعلیم حاصل کرنے میں پیش آئیں، میں نے آپ کے عزیزوں سے تفصیل معلوم کی ہے جو نہایت دردناک اور عبرت خیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے جب پڑھنے لکھنے کی طرف میلان ظاہر کیا اور گھر چھوڑ کر باہر جانے کے درپے ہوئے تو آپ کے والد (اللہ ان پر رحم کرے) اپنی جہالت اور لاعلمی کے باعث اسے بغاوت سمجھ بیٹھے اور سوچا کہ یہ کام کرنے سے جی چرانے کے لیے پڑھنے لکھنے کا بہانہ بنا رہا ہے، اب آپ پر کڑی نگرانی رہنے لگی، لیکن

---

(۱) آب زمزم ص:۱۸۹ میں مولوی سمیع اللہ نے آپ کا نام برخوردار بن مصاحب بن دلا خان لکھا ہے، ممکن ہے برخوردار لقب ہو۔ (۲) ترقیات مدرسہ زینت العلوم

چوں کہ آپ کو علم کی افادیت کا شعور ہو چلا تھا، اس لیے آپ نے اپنی تعلیم کے لیے حیلہ تلاش کرلیا اور گھر سے بلا اجازت نکل گئے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جس شخص کے سہارے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی اسی کے سہارے عربی تعلیم بھی حاصل کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

ممکن ہے یہ خیال کسی حد تک صحیح ہو لیکن یہ بات کلیۃً صحیح نہیں کہ آپ کی عربی تعلیم چچا ہی کے اخراجات پر شروع ہوئی کیوں کہ آپ نے اس تفصیل کو نظر انداز کرنے کے بعد ایک ایسا جملہ لکھ دیا ہے جو اس پورے بیان کو صحیح بتاتا ہے، کہ چچا نے صرف مکتب کی تعلیم دلائی تھی چنانچہ آپ نے سراج العلوم کی تعلیمی زندگی پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ تین سال کا تعلیمی زمانہ جناب الحاج سعادت علی خاں صاحب موضع سیکھوئیا ضلع گونڈہ کے یہاں خیر وخوبی کے ساتھ گزارا[1] جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سچ ہے کہ آپ نے جب اپنے والد (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) سے کھیت کے اندر جمعہ کی نماز کی اجازت چاہی تو اجازت کے بجائے گالیوں سے جواب ملا پھر آپ کھیت ہی سے بھاگ نکلے اور غالباً سعادت علی کو علم دوست، غریب نواز اور سخی آدمی سمجھ کر ان سے جا ملے اور انھیں کی کفالت میں مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں داخل ہو کر عربی کی ابتدائی تعلیم پائی، سراج العلوم چوں کہ گونڈہ بستی کا سب سے ممتاز مدرسہ تھا، اس لیے آپ ۱۹۳۰ء میں یہاں گئے، مولانا محمد یونس اور مولانا محمد یٰسین سے تین سال تک کسب فیض کیا، آپ کا بیان ہے کہ یہ حضرات مجھ پر بڑی شفقت کرتے تھے، یہی وجہ تھی آپ نے تین سال کے اندر اتنی تعلیم حاصل کرلی جتنی دوسرے طلبہ پانچ سال میں حاصل کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں مدرسہ مذکور (سراج العلوم بونڈیہار) میں مَیں نے تین سال کے اندر آمد نامہ وغیرہ (فارسی) سے لے کر شرح جامی، شرح تہذیب، قدوری

---

(۱) ترقیات ص: ۷

اورمشکوۃ المصابیح (عربی) تک تعلیم حاصل کی فللہ الحمد۔[1]

پھر جب میں دہلی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تیار ہوا تو میرے دونوں بزرگوں نے دعائیں دیں اور کہا جاؤ اللہ حافظ ان شاء اللہ تم منزل مقصود تک پہنچو گے جو تعلیم تم نے تین سال کے اندر حاصل کی ہے دوسرے طلبہ اس کو عموماً پانچ سال میں حاصل کرتے ہیں۔[2]

اس دوران آپ کے تعلیمی مصارف کے ذمہ دار سعادت علی خاں تھے، جنھوں نے بڑی دریا دلی سے تین سال تک آپ کی ناز برداری کی اور ایک لاوارث بچہ سمجھ کر آپ کی پرورش کرتے رہے۔

تعلیم کی تکمیل دیہات میں نہ ہوسکتی تھی، اس لیے آپ نے ۱۹۳۳ء میں دہلی کا رخ کیا جو اس وقت تک دینی تعلیم کے لیے مرکزی مقام تھا، یہاں پہنچ کر آپ مدرسہ عربیہ زبیدیہ میں داخل ہوگئے، اس وقت یہاں کے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ اٹاوی تھے جو اس میں تیس سال سے حدیث کا درس دے رہے تھے، آپ نے یہاں اپنے مشفق شیخ مولانا عبیداللہ اٹاوی اور مہربان متولی عبدالمتین صاحب کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور تین سال کے اندر یہاں کی رسمی تعلیم سے فراغت پالی، شیخ الحدیث اور مدرسہ کے مہتمم آپ سے بے حد خوش تھے۔

آپ کے علمی شوق کی قدر کرتے ہوئے مہتمم صاحب اور سہولیات کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی فراہم کرتے تھے، مدرسہ زبیدیہ سے جب آپ نے فراغت حاصل کرلی تو علم حدیث کی مزید تعلیم کے لیے ۱۹۳۶ء میں میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں داخل ہوگئے، مولانا محمد یونس پرتاپ گڑھی اور مولانا محمد بشیر سے استفادہ

(۱) ترقیات ص:۷
(۲) ترقیات ص:۷

کیا اس مدرسہ میں بھی آپ کے اخراجات مہتمم مدرسہ حاجی محمد امین پوری کرتے تھے۔

اب آپ نے تعلیم حاصل کر لی لیکن مستقبل کے بارے میں ابھی کوئی رائے قائم نہیں کی تھی کہ گھر سے خطوط آنے شروع ہوئے اور فوراً گھر واپس چلے آنے کا مطالبہ کیا جانے لگا چوں کہ جدائی کی مدت بہت طویل ہوئی جارہی تھی، اس لیے خاندان کے لوگوں کو صبر نہ ہوسکا اور آپ کے چچا عبدالغنی کو دہلی آپ کو لینے کے لیے بھیج دیا، مدرسہ میاں صاحب سے تو آپ کو گھر جانے کے اجازت مل گئی مگر شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ اٹاوی سے اجازت ملنی دشوار تھی آپ نے گھر جانے کی اجازت چاہی تو مسند درس خالی کرتے ہوئے کہا کہ اب تم میری جگہ پر درس دو اور میں اپنی لڑکی کا نکاح تم سے کیے دیتا ہوں، آپ نے بار بار معذرت کی، گھر سے آئے ہوئے خطوط دکھائے اور چچا کو پیش کیا کہ یہ مجھے لینے آئے ہیں تب کہیں جا کر اجازت ملی اور ۱۹۳۷ء میں تعلیم سے فارغ ہوکر گھر آ گئے، آپ گھر واپس ہوئے تو لوگوں نے پُر جوش خیر مقدم کیا اور ہر طرح آپ کی معاونت کے لیے آمادگی ظاہر کی۔

آپ کے پیش نظر تبلیغ دین کا اہم پروگرام تھا، اس لیے اس موقع کو غنیمت جانا اور منظّم طور پر دین کی خدمت کے لیے راستہ ہموار کرنے لگے، غالبًا یہی سال ہے کہ آپ کا نکاح ضلع بستی کے ایک مشہور گاؤں سمرا میں مولانا عبدالرزاق صاحب کے بھائی عبدالستار کی لڑکی سے ہوا، ۱۹۳۸ء میں آپ نے اپنے گاؤں کے بزرگوں کے تعاون سے ایک جلسۂ عام کیا، آپ نے مدرسہ زینت العلوم (جس کی بنیاد ۱۹۳۸ء میں اسی جلسہ میں رکھی گئی) کا پہلا جلسہ قرار دیا ہے، اس اجلاس میں علمائے بستی و گونڈہ کے علاوہ مولانا محمد یوسف صاحب شمس فیض آبادی تلمیذ شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی و مدیر رسالہ ''اہل الذکر'' بھی تشریف لائے تھے۔ یہاں پہلے ہی سے ایک مدرسہ کی

ضرورت محسوس کرلی گئی تھی اوراسی کے سنگ بنیاد کی تقریب کے طور پر غالباً یہ جلسہ عام منعقد بھی ہوا تھا، مولانا فیض آبادی کے ہاتھوں مدرسہ کی بنیاد پڑی اورمدرسہ کا نام زینت العلوم رکھا گیا۔

اب آپ کے اوپر خانگی ذمہ داریوں کے علاوہ مدرسہ اورعوام کی اصلاح کی ذمہ داریاں بھی عائد ہوگئیں، اس لیے آپ نے فیصلہ کیا کہ اپنے وطن ہی میں قیام کرکے دین کی خدمت کی جائے، چنانچہ آپ نے تدریس، تصنیف وتالیف اوردعوت وتبلیغ کے ذریعہ تاحیات اس باغ کی آبیاری کی، جس کی تخم ریزی مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا محمداظہر بہاری، مولانا احمدعلی (اوبری ڈیہہ) اورحاجی عبدالجبار سرمہ دانی والے (مقام گنوریا بلرام پور) نے کی تھی، غرض یہ کہ آپ فراغت کے بعد ہمہ تن مصروف ہوگئے، گھریلو زندگی کی ضروریات کھیتی باڑی کی زحمتیں اورتبلیغ وارشاد کی صعوبتیں آتی رہیں اورآپ رضا کارانہ طور پراسے عمر بھرنمٹاتے رہے، آپ کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا، اولاد میں ایک لڑکا اوردو لڑکیاں چھوڑا، آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرب صاحب ہیں جنھوں نے والد کی روش پرچل کرتبلیغ دین کا اہم کام کرنا شروع کردیا ہے، اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے، آپ خوش اخلاق، ملنسار، صالح طبیعت اورنیک سیرت بزرگ تھے، اپنی ہرقیمتی چیز دین کی خدمت میں صرف کرتے تھے، آپ کی دینی خدمات کا دائرہ نظم مدرسہ اورتدریس، تالیف، تبلیغ اوروعظ ونصیحت تک وسیع ہے، اس لیے ہرپہلو پرالگ الگ روشنی ڈالنی مناسب ہے۔

تدریس:۔ مدرسہ زینت العلوم کی تاسیس کے متعلق گزرچکا ہے کہ اس کی تاسیس مولانا شمس فیض آبادی کے ہاتھوں ۱۹۳۸ء میں عمل میں آئی، آپ نے مدرسہ کی تاسیس کے بعداس میں پڑھانا شروع کیا اورانتظام کے بھی مکمل ذمہ دار رہے، مدرسہ کے مہتمم

حاجی عبدالغفور لکھوروی تھے، مدرسہ کی تعمیری ضروریات کو مخلص معاونین کے تعاون سے بہت جلد پورا کرلیا گیا، جس میں درس گاہ بھی تھی اور دارالاقامہ بھی چوں کہ پورے علاقہ میں کوئی بھی عربی مدرسہ نہ تھا، اس لیے عوام وخواص سب کی توجہ آپ کے مدرسہ کی طرف ہوتی چلی گئی اور آپ کی انتظامی صلاحیتوں اور تعمیری و تعلیمی ترقیات کو دیکھ کر پورے شمالی گونڈہ میں مدرسہ کا ایک وقار قائم ہوگیا، قرب وجوار کے طلبہ وطالبات کے علاوہ دور دور کے طلبہ آتے اور داخلِ مدرسہ ہوکر عربی کی تعلیم حاصل کرنے لگے، تعلیم چوتھی جماعت سے اوپر کی نہ ہوتی رہی ہوگی، طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کئی مدرسین رکھے گئے، آپ کے اوپر گو علاقے میں دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور تدریس کی اہم ذمہ داریاں تھیں، اس کے باوجود مدرسہ کا معائنہ کرنے والے حضرات نے تعلیمی، تعمیری اور انتظامی حسن کارکردگی کا اعتراف کرنے کے ساتھ حسابات کی صفائی کے سلسلے میں آپ کی دیانت کا اعتراف کیا ہے۔

آپ عربی طلبہ کی تعلیم اور خدمت کے لیے ہمہ تن تیار رہتے تھے، چنانچہ ایک عرصہ تک بچوں کا کھانا پکانے کے لیے اپنے اہل وعیال ہی کو زحمت دے رکھی تھی، آپ مدرسہ کے لیے وقف تھے اور آپ کی ہر حرکت مدرسہ کے مفاد ہی کے پیش نظر ہوا کرتی تھی، ۱۹۶۵ء میں جب آپ کا انتقال ہوگیا تو مدرسہ کو ایسا صدمہ پہنچا جس کی وہ تاب نہ لا سکا، آپ کے فرزند مولانا عبدالرب صاحب نے کچھ دنوں تک مکتب اور عربی دونوں شعبوں کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بعد میں صرف مکتب کی تعلیم باقی رہ گئی اور ۶۸۔۱۹۶۷ء میں ان کے سمرہن سے گینسڑی انتقال مکانی کے بعد مدرسہ کی ابتدائی تعلیم بھی ختم ہوگئی۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے۔ ان میں چند کے نام یہ ہیں: (۱) مولانا عبدالحمید

شفیقی (۲) مولانا محبت اللہ دودھونیاں (۳) مولوی محمد منیر سمرا (۴) مولانا عبدالرب بن مولانا شکراللہ صاحب (۵) مولوی عبدالمالک سمرا (٦) مولوی عبدالحفیظ سمرا (٦) مولوی عبدالمعبود گورابھاری (۸) مولوی عبدالغنی اونرہوا (۹) مولوی عبدالوکیل جھکہیا وغیرہ۔

تبلیغ:۔ ضلع گونڈہ کے شمالی علاقہ میں کچھ دنوں پہلے جو اصلاحی اقدامات کیے گئے تھے وہ ابتدائی اصلاح ہونے کی وجہ سے تمام خرافات ومفسدات کے استیصال کے لیے کافی نہیں ہوسکتے تھے، ضرورت تھی کہ پھر سے تبلیغ ودعوت کا کام وسیع پیمانے پر کیا جائے اور لوگوں سے مل کر ان کی اصلاح کی جائے، چنانچہ آپ نے ایک منصوبہ کے تحت پورے علاقہ میں تبلیغی دورہ کا عزم کیا اور تاحیات پورے شمالی گونڈہ میں موقع بہ موقع یکے بعد دیگرے ہر گاؤں پر پہنچتے اور لوگوں کو دین کی صحیح راہ سے روشناس کراتے رہے، اس دوران میں آپ نے بہت سے گاؤں پر جہاں ضرورت محسوس کی مکاتب قائم کرائے، جہاں مسجدیں نہیں تھیں، مسجدیں قائم کرائیں، کئی جگہوں پر سخت باہمی نزاعات تھے، انھیں نمٹایا اور صلح صفائی کرائی تبلیغ کے پیش نظر ۱۹۵۰ء تک آٹھ جلسے کرائے۔

آپ کو تقریر کرنے کا زبردست ملکہ تھا، دودو، تین تین، گھنٹہ تک موضوع کی تشریح وتوضیح کرتے اور اسے مدلل کرتے اور طرح طرح کے استدلالات کرتے، سچ یہ ہے کہ آپ اس فن میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، لوگ آپ کی تقریر کے لیے مطالبات کرتے اور ہمہ تن گوش ہوکر سنتے، ان تقریروں کی تاثیر بھی عجیب ہوتی تھی، مختلف جگہوں پر مساجد اور مکاتب کے قیام اور نزاعات کے تصفیے میں مؤثر یہی تقریریں ہوتی تھیں، جنھیں آپ موقع دیکھ کر کرتے اور اصلاح کرتے یا دینی ضروریات کی چیزوں کے قیام کی طرف رغبت دلاتے تھے۔

تالیف:۔ قدرت نے آپ کے قلم میں جو قوت عطا کی تھی اور جس دین سے بہرہ ور فرمایا

تھا اس کا حق ادا کرنے کے لیے آپ نے دینی و اصلاحی لٹریچر تیار کرنے اور لوگوں میں اسے پہنچانے کا منصوبہ بنایا تھا، گونڈہ اور بستی کے اندر رہ کر کسی عالم نے اس قسم کے منصوبے کی تکمیل میں ایسی شاندار کامیابی نہیں حاصل کی، آپ نے مختلف موضوعات پر پوسٹر، پمفلٹ وغیرہ شائع کرنے کے علاوہ آٹھ کتابیں لکھیں، جن میں چار کافی ضخیم ہیں۔ان کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

نام کتاب	سن طباعت	مطبع	صفحات	کیفیت
معیار اسلام	۱۹۴۵ء	ثنائی پریس امرتسر	۱۳۲	معاونین کے تعاون سے
آئینہ اسلام	۱۹۴۶ء	//	۸۸	//
شمع اسلام	۱۹۴۷ء	//	۸۸	//
رہبر اسلام	۱۹۴۸ء	ثنائی پریس میں ضائع ہونے کے بعد ساجدی پریس گورکھپور میں چھپی		
ارکان اسلام	۱۹۵۸ء	محبوب المطابع دہلی	۳۲۴	معاونین کے تعاون سے
احکام اسلام	۱۹۵۹ء	اکلیل پریس بہرائچ	۴۶۲	چھپیں اور مفت تقسیم
انوار اسلام	۱۹۸۰ء	نامی پریس لکھنؤ	۶۰۵	ہوئیں۔
خطبات اسلام	۱۹۸۱ء	اکلیل پریس بہرائچ	۴۵۴	//

ان کے علاوہ چند کتابچے بھی قابل ذکر ہیں:

(۱) تحفۂ عید الاضحیٰ (۲) تحفۂ حج بیت اللہ (۳) مسائل عشر و زکوٰۃ

ان کتابوں کو بھی آپ نے چھپوا کر علاقے میں مفت تقسیم کرایا اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھیجا، ان کتابوں کی اہمیت و افادیت کا اعتراف جماعت کے بڑے بڑے علماء نے اپنی تقریظوں میں کیا ہے۔

آپ کا عزم تھا کہ عقائد اسلام نام کی کتاب لکھوں لیکن اجل نے مہلت نہیں دی تو آپ نے مولانا عبدالمبین منظر کو اس کا اہل سمجھ کر ان کے ذمہ یہ کام لگایا اور چھپوانے کے اخراجات بھی دیے اور کچھ دنوں بعد وفات پا گئے، منظر صاحب نے آپ کی خواہش کے مطابق عقائد اسلام لکھی اور چھپوائی اور پھر وہ مفت تقسیم ہوئی۔

انھیں تمام اصلاحی، تبلیغی، تعلیمی، تنظیمی، تالیفی اور تعمیری کوششوں کی وجہ سے پورے علاقہ کے لوگ اور جماعت کے اہل علم آپ کی بڑی عزت کرتے تھے، آپ کی وفات (۱۹۶۵ء) کو طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر لوگ آپ کو اب بھی یاد کر کے رونے لگتے ہیں اور بڑی بڑی تعریفیں کرتے ہیں، حقیقت ہے اللہ والوں کو سب ہی چاہتے ہیں۔

آپ کی نیکیوں کے طفیل لوگ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرب پر بڑی توجہ رکھتے ہیں، ان کا ارادہ ہے کہ والد محترم کی کتابیں ایک بار پھر شائع کر کے مفت تقسیم کریں، اس سلسلے میں انھوں نے کئی اہم اقدامات کیے ہیں، ارکان اسلام شائع کر کے مفت تقسیم کر چکے ہیں، خطبات اسلام کی کتابت ہو رہی ہے، ایک اشاعتی ادارہ ''دارالسنۃ'' اسی مقصد سے حال ہی میں قائم کیا ہے۔

ص

(۲۳)

مولانا صغیر احمد شنکرنگر (گونڈہ)

صغیر احمد نام ابو حماد کنیت اور شنکر نگر (بلرام پور) مولد و مسکن ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں پر ہوئی پھر بونڈیہار مدرسہ سراج العلوم میں عربی درجات کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے مرکزی دارالعلوم بنارس آئے اور ۱۹۷۰ء میں یہیں سے فضیلت کی سند لی، ایک سال جامعہ رحمانیہ بنارس میں مدرس رہے اور اگلے سال ۱۹۷۱ء کے آخر میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں بی.اے. میں داخلہ ہوگیا، وہاں چار سال تک کلیۃ الشریعۃ میں پڑھنے کے بعد جامعہ اسلامیہ ہی کے تابع دراسات علیا میں قسم الفقہ میں داخلہ ہوا، چار سال میں ایم.اے. کیا اور پھر اگلے چار سالوں میں (یعنی ۱۹۸۳ء تک میں) ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، ایم.اے. اور پی.ایچ.ڈی. میں آپ نے لکھنے کا موضوع منذری کی کتاب الأوسط کے بعض اجزاء کو بنایا تھا جس کی تحقیق کر کے پیش کیا اور امتیازی نمبر حاصل کی۔

اس دوران آپ نے منذری کی دوسری دو کتابوں کی تحقیق کی (۱) الإجماع (۲) الإشراف چوتھا حصہ، شاید جلد ہی اس کے ناقص اجزاء کی تکمیل کرلیں گے، یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹریٹ کرتے ہوئے آپ جامعہ اسلامیہ کے قسم المخطوطات میں ملازم تھے، آئندہ کہاں ہوں گے کچھ خبر نہیں، اس کے بعد دارالافتاء ریاض کی طرف سے فجیرہ (امارات) میں دعوت و تبلیغ کا کام کررہے ہیں۔

(۲۴)

مولانا صلاح الدین اونرہوا، (گونڈہ)

صلاح الدین بن مقبول احمد نام، مولد و مسکن اونرہوا، ضلع گونڈہ-ابتدائی تعلیم گاؤں ہی پر حاصل کی، عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سمرا میں پائی، مولانا عبدالمبین منظر اورمولانا عبدالعلیم ماہر یہاں آپ کے مشفق مربی رہے، تیسری جماعت تک کی تعلیم یہاں مکمل کی اور ۷۰-۱۹۶۹ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ ہوا تو میرے رفیق درس ٹھہرے، جامعہ رحمانیہ سے لے کر جامعہ سلفیہ سے فضیلت کی تکمیل ۱۹۷۶ء تک یہ سلسلۂ صحبت تھا تا آنکہ ایک ساتھ فراغت ہوئی تو آپ کوایک سال کے لیے جامعہ سلفیہ میں لائبریری کا ذمہ دار بنا کر رکھ لیا گیا اوراگلے سال جامعہ اسلامیہ مدینہ بھیج دیا گیا، مدینہ پہنچ کرآپ نے کلیہ الحدیث میں داخلہ لیااورچار سال میں تکمیل کے بعد بی.اے. کی سند حاصل کی۔

پھر کویت تشریف لے گئے اور وہیں دعوت وتبلیغ اور تحقیق مخطوطہ وتالیف کتب میں مصروف ہیں، علم، ذکاوت، سوجھ بوجھ، طرز تحریراورزبان کی صفائی اورسلاست قابل ستائش ہے، آپ اپنے ان چندرفقاء درس میں تھے جوان شاء اللہ مستقبل قریب میں آفتاب وماہتاب بننے والے ہیں اور جنھیں اس وقت نوعمری ہی میں علمی حلقوں میں مناسب مقام دیا جاتا ہے، آپ نے اب تک جو علمی خدمات سرانجام دی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

تحقیقات:

(۱) **العلو والنزول فی الحدیث لإبن طاهر المقدسی**

(۲) **مختصر المؤمل فی الرد إلی الأمر الأول لإبن شامة المقدسی**

(۳) إرشاد النقادإلی تیسیر الإجتهاد للصنعانی

(۴) تحفة الأنام فی العمل بحدیث النبیﷺ لحیاة الله السندی

(۵) الزهرالنضرفی حال الخضر لإبن حجرالعسقلانی

(۶) المتواری فی تراجم أبواب البخاری لإبن المنیرالإسکندرانی

(۷) الإمتاع فی الأربعین المتباینة بشرط السماع لإبن حجرالعسقلانی

تعریبات:

(۸) موقف الجماعة الإسلامیة من الحدیث النبوی للشیخ محمد إسماعیل السلفی

تالیفات:

(۹) زوابع فی وجه السنة

(۱۰) دعوةشیخ الإسلام ابن تیمیة وأثره فی الحرکات الإسلامیة المعاصرة والخصوم منها.

(۱۱) تاریخ السنة

(۱۲) عوامل وحدة الأمة الإسلامیة

(۱۳) المستشرقون وأعمالهم (دراسة وتحقیق)

ع

(۲۵)

مولانا عابد علی انتری بازار (بستی)

مولانا عابد علی کا خاندان پہلے شیعہ تھا بعد میں سنی ہوا اور پھر اہل حدیث۔ آپ کے خاندان میں سب سے پہلے جن بزرگ کا نام ملتا ہے وہ مولانا عابد علی کے فرزند اکبر ڈاکٹر عبدالمعبود کے بیان کے بموجب ''پھرہاری بابا'' ہیں یہ بڑے صوفی منش تھے انھوں نے ایک کٹیا میں اپنے آپ کو الگ تھلگ کرلیا تھا اور صرف میوہ جات پر گزر اوقات کی ٹھان لی تھی، لوگ پھلوں کا تحفہ انھیں پیش کرتے تھے جس کو وہ قبول کرتے تھے، آپ کے والد ''شیر علی'' تھے غالبًا اب یہ شیعہ خاندان سنی ہو چکا تھا اسی خاندان میں گونڈہ کے مشہور گاؤں ''اونرہوا'' میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کہاں اور کیسے ہوئی؟ اس کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوئی، البتہ اتنا معلوم ہے کہ آپ نے ابتداء میں زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی، غالبًا گاؤں ہی پر شمشیر علی سے بھی پڑھا، گوہر میاں سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دہلی چلے گئے تھے، یہ ۱۹۰۵ء کا زمانہ رہا ہوگا، یہاں آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے بارے میں کوئی قطعی علم حاصل نہیں ہوسکا، بدقسمتی سے آپ کی سندیں چور کے ہاتھ لگ گئیں جس کی بناء پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہاں البتہ اتنی بات متعین ہے کہ آپ اس وقت کم سن نہ تھے، جب ندوہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کی شہرت ہوئی تو آپ نے غالبا ۳۵ر سے ۴۰ر سال کی عمر میں ندوہ کا سفر کیا یہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء کا زمانہ رہا ہوگا، یہاں آپ نے

مشہور اہل حدیث عالم حفیظ اللہ بدوی (۱۳۶۲ھ) سے شرف تلمذ حاصل کیا، آپ نے نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ) کے زمانے میں بھوپال کا بھی سفر کیا اور وہاں سے خاصی مقدار میں کتابیں اپنے ہمراہ لائے، آپ نے جب دوبارہ تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو مولانا ممتاز علی صاحب اعلیٰ تعلیم کے لیے ندوہ گئے۔

نہ جانے کن وجوہ کے بنا پر آپ نے اپنے وطن اونرہوا کو خیر باد کہہ دیا اور بستی کی تحصیل نوگڑھ میں کونڈرا علاقہ کے اندر مہووا نامی ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی اور گھر بنایا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا کے قیام مہووا کے وقت کونڈرا علاقے میں بدعتیوں کی اکثریت تھی، اس لیے آپ کو اذیت بھی پہنچتی تھی، البتہ مولانا کے بڑے لڑکے ڈاکٹر عبدالمعبود کے کہنے کے مطابق وہاں کے کچھ لوگ آپ کے عقیدت مند بھی تھے اور آپ کے لیے سبب راحت بھی، منشی وارث علی (وفات ۱۹۷۷ء) کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ جن دنوں ''چلہیا تھانہ'' میں منشی تھے، مولانا عابد علی کو مہووا میں راحت و آرام پہنچانے کے بہت سے جتن کرتے تھے، مہووا میں آپ غالباً تین سال رہ سکے اور پھر وہاں سے بھی آپ کو کوچ کرنا پڑا، انھیں دنوں آپ شہرت گڑھ سے متصل انتری بازار میں پڑھانے کی غرض سے گئے اور ایک سال تک مہووا سے آجا کر تعلیم دیتے رہے کچھ ہی دنوں کے اندر انتری بازار میں آپ کی اچھی مقدار میں آراضی ہوگئی [1] اور گھر ہوگیا، پھر آپ نے مہووا سے انتری بازار کو اپنا رخت سفر باندھا اور تا حیات یہیں پر رہے، آپ نے ایک مرتبہ حج کرنے کی سعادت بھی حاصل کی تھی، دوبارہ اس کا پروگرام بنایا تھا لیکن حکومت کی طرف سے بعض رکاوٹوں کی وجہ سے نہ جا سکے [2] جس کا غلط اثر ذہن پر پڑا، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا دماغ فیل ہوگیا، جنون کی کیفیت پیدا ہوگئی، اللہ اللہ کر کے یہ حالت دور ہوئی پھر کچھ دنوں بعد مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور قفس

(۱) یہ علاقائی حاکم نے آپ کے حسن عمل کا صلہ دیا تھا۔ (۲) ڈاکٹر سعید نے لکھا ہے کہ میری یہ بات غلط ہے وہ دوبارہ حج پر گئے تھے، دماغی توازن بگڑا تھا سبب جو بھی ہو۔

عنصری سے آپ کی روح پرواز کرگئی۔

گاؤں کے ایک معزز آدمی مولوی محمد شفیع کے والد ''برساتی'' سے آپ بڑی الفت ومحبت رکھتے تھے، اس وجہ سے جب وہ آپ سے پہلے انتقال کر گئے تو آپ نے مولوی موصوف سے انھیں کے قریب دفن کے لیے جگہ چاہی، مطالبہ پورا ہوا اور آپ کو انتری کی سرزمین میں دفن کردیا گیا یہ غالبا ۱۹۶۶ء کی بات ہے، اخلاقی اعتبار سے آپ بڑے اونچے پائے کے آدمی تھے، آپ جس راستے سے گزرتے تھے، راستہ صاف ہوجاتا تھا، کیوں کہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں ہماری فروگذاشت پر گرفت نہ ہوجائے، مجال کیا تھی کہ بے نمازی ان کے سامنے دم مارسکیں، بچوں کے ساتھ آپ بڑی نرمی اور شفقت فرماتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے بعض بچے آپ سے ہروقت خائف رہتے اور اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ،بعض بچے آپ سے الجھ جاتے اور دوسرے چھپ چھپا کر تماشہ دیکھتے، آپ کے مزاج میں کسی حد تک حدت تھی، جس کی وجہ سے اہل خانہ بھی سہمے رہتے لیکن اگر کسی نے ان پر چپکے سے تنقید کی اور آپ نے اسے سن لیا تو مسکرا کر رہ گئے، اللہ کا خوف اس درجہ تھا کہ تنہائی میں گڑگڑا کر روتے تھے، یہ سب لوگوں کے مشاہدات تھے جن کا ماحصل پیش کردیا گیا ہے۔

علم کی افادیت اس وقت تسلیم کی جاسکتی ہے جب علم کے پہلو بہ پہلو عمل بھی ہو مولانا مرحوم اس کا بہتر نمونہ تھے، آپ کو قریب سے دیکھنے والے ایک آدمی کا تاثر ہے کہ علم وعمل دونوں اعتبار سے آپ کا درجہ مولانا ممتاز علی سے اعلیٰ تھا، اگر ہم اس بیان کو مبالغہ پر محمول کریں تو بھی عبادت وریاضت اور زہد واتقاء کے سلسلے میں آپ کی غیر معمولی شخصیت صاف نظر آتی ہے، یوں بشری تقاضے کے مطابق کچھ غلطیوں کا صادر ہونا فطری بات ہے، قرآن کریم سے آپ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی، اس لیے آپ جہاں بھی رہتے تھے جیبی سائز کا قرآن مجید اپنے ساتھ ضرور رکھتے تھے، جب آپ کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا، اس وقت

بھی آپ کے پاس قرآن کریم ہوتا تھا اور آپ اسے برابر پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آپ علاقہ الیدہ پور کے گاؤں ششہنیاں پہنچے، گاؤں کے مہتو نے جو آپ کے مرید تھے دعوت کی، کھانا آیا تو آپ نے اس وقت تک کھانا کھانے سے انکار کردیا جب تک اسے حلال نہ بنالیا جائے، چنانچہ آپ دسترخوان پر بیٹھے رہے، جب تمام غلے سے اللہ کا حق ادا کردیا گیا تو سبھوں نے کھانا کھایا، اس طرح آپ حرام وحلال کی بہت زیادہ فکر رکھتے تھے، معاش حاصل کرنے کے لیے کچھ کھیتی تھی، اس کے علاوہ آپ نے طب بھی پڑھا تھا جس کے ذریعہ تلاش معاش میں مزید سہولت پیدا ہوگئی، آپ دوائیں اپنے ہاتھ سے تیار کرتے اور اسے سستے داموں فروخت کرتے تھے، اس طرح آپ کو بہت سے لوگوں سے ملنے کا موقع مل جاتا، آپ کی شادی مولانا ممتاز علی (۱۹۷۳ء) کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی، ان سے چار لڑکے زندہ ہیں اور دو لڑکیاں، سب سے چھوٹے لڑکے سعید احمد نے ازہر سے مولانا حمید الدین فراہی پر ریسرچ کیا ہے، وہ فی الحال جدہ ریڈیو اسٹیشن پر کام کرتے ہیں، مولانا عابد علی نے دارالہدی یوسف پور قائم شدہ ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ء مظہر العلوم اوسان کوئیاں (قائم شدہ ۱۸۶۲ء بحرالعلوم انتری بازار (قائم شدہ ۱۹۱۸ء اور دارالعلوم ششہنیاں ۱۹۴۴ء) کے اندر مختلف مواقع پر تدریسی خدمات انجام دی ہیں، چوں کہ ان مدارس میں تدریس کا زمانہ ہم معلوم نہیں کرسکے، اس لیے بلا رعایتِ زمانہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے، آپ نے دارالہدی یوسف پور میں قیامِ مہووا کے دوران جس کی کل مدت تین سال ہے تخمیناً دو سال تعلیم دی ہوگی، کیونکہ یہ متعین ہے کہ آپ نے یوسف پور کے اندر تعلیم قیامِ مہووا کے دوران دی ہے اور یہ بھی متعین ہے کہ آپ نے مہووا میں رہ کر ایک سال تک انتری بازار میں تعلیم دی تھی پھر جب اس کے ساتھ اسے ملا کر دیکھتے ہیں کہ آپ نے انتری بازار پہنچ کر یہاں مدرسہ بحرالعلوم کی تاسیس ۱۹۱۸ء میں فرمائی تو قیام مہووا کا زمانہ ۱۵ء تا ۱۷ء قرار پاتا ہے جس میں ۱۷ء کو انتری کا پہلا سال مان لینے پر لازم آتا ہے کہ یوسف

پور میں آپ ۱۶۔۱۹۱۵ء میں بحیثیت مدرس رہے ہوں، آپ کو بچوں کی تعلیم کے لیے انتری بازار کے تین آدمی (مولا نا محمد زماں رحمانی کے والد نبی احمد، ماسٹر عبدالعزیز کے دادا داہومیاں مرحومین اور قاسم علی خیاط اپنے یہاں لائے تو آپ نے ۱۹۱۸ء میں مدرسہ بحرالعلوم کی بنیاد رکھی اور تقریباً پندرہ سال (یعنی ۱۹۳۳ء) تک انتری بازار کی جامع مسجد کے اندر درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، تعلیم اونچے درجات کی ہوتی تھی، یہاں سے بستی، گونڈہ اور نیپال کے بے شمار تشنگان علوم سیراب ہوئے، گاؤں کے بڑے معمر علماء آپ کے شاگرد ہیں، مثلاً مولانا محمد زماں، مولوی فتح محمد، مولوی سمیع اللہ مرحوم، مولوی حبیب اللہ وغیرہ اس کے علاوہ مولانا عبدالجلیل رحمانی آپ کے شاگردوں میں آتے ہیں آپ نے مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں غالباً ابتدائی دور میں اور مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں میں آخری دور میں درس دیا ہے۔

آپ چوں کہ سلفی عالم تھے، اس لیے اس مسلک کی ترویج واشاعت میں آپ نے پوری عمر لگادی، لوگوں کا بیان ہے کہ ''کونڈرا'' کا علاقہ بدعتیوں کا علاقہ تھا، آپ کی کوششوں سے وہاں کے کچھ رؤسا راہ راست پر آگئے تھے گو کہ علاقے کے اکثر بدعتی آپ کے اور آپ کے ہمنواؤں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے، پھر بھی وہ آپ کے تبلیغی پروگرام کو معطل نہ کر سکے، کیوں کہ آپ کے بعض ہمنوا اس علاقے کے اچھے عہدوں پر فائز تھے، منشی وارث علی (متوفی ۱۹۷۷ء) جن سے میں نے اس مضمون کے لیے کافی مواد حاصل کیا ہے، اہل حدیث تھے اور تھانے میں محرر تھے، تھانیدار اور عملہ کے دوسرے لوگ ان کی نماز، تلاوت قرآن اور دوسرے اسلامی شعائر سے کافی مرعوب رہتے تھے، اس وجہ سے مولانا کو ان کی وجہ سے قوت حاصل ہوگئی تھی، انتری بازار کے اندر بدعات وخرافات اور تعزیہ پرستی کا جوزور تھا مولانا ہی کے ذریعہ ٹوٹا، پورے علاقہ میں آپ نے گھوم گھوم کر اصلاح کی اور اس کے نہایت ہی بہترین نتائج برآمد

ہوئے، مولانا عبدالحمید[1] شفیقی کے دادا امانت آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے، وہ آپ ہی کی تحریض پر بدعات ورسومات کو چھوڑ کر سنت نبوی کے ایسے شیدا ہوئے کہ انھوں نے اسلامی شعائر کی پابندی کے علاوہ سنتی بال تک رکھ لیا اور مولانا موصوف کے والد مرحوم شفیق الرحمٰن تو آپ کے خاص معاونین میں سے تھے اولاً یہ بڑے بڑے بال رکھتے اور دھوتی باندھتے تھے، آپ نے جب ایک مرتبہ انھیں اپنی مجلس سے نکال دیا تو وہ حد درجہ متاثر ہوئے اور آپ کی بات مان کر بال کٹوا دیے، دھوتی کے دو ٹکڑے کر کے دو تہبند بنا لیا اور آپ سے جوانی میں پڑھنا شروع کیا آپ بڑے خلوص سے مولانا کی خدمت میں برابر موجود رہتے اور ہر بھلے کام میں آپ کا تعاون کرتے تھے، یہ ایک مثال ہے جس سے آپ کے اصلاحی کاموں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۲۶)

میاں عباد اللہ تلانگ (بستی)

آپ موضع تلانگ علاقہ ڈومریا گنج کے رہنے والے تھے، آپ مولانا سید جعفر علی نقوی کے فیض یافتگان میں سے تھے، عالم تو نہ تھے، مگر علماء کی صحبت نے بہت کچھ عطا کر دیا تھا، بڑے عابد وزاہد اور نقوی صاحب کے مشن کو فروغ دینے والوں میں سے تھے، بانسی کانفرنس کے خاتمہ پر مولانا امرتسری اور مولانا محمد جوناگڈھی وغیرہ آپ کے گاؤں آپ سے ملاقات کی غرض سے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس

(۱) آپ بڑے سنجیدہ، ذی علم، با اخلاق اور غیور عالم ہیں، ابتدائی تعلیم بحرالعلوم میں پائی اور فراغت کنز العلوم ٹانڈہ سے ہوئی۔ فراغت کے بعد بحرالعلوم انتری بازار، سراج العلوم جھنڈانگر میں چند سال مدرس رہے، پھر مدرسہ عربیہ اکرہرا میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تادم تحریر (۱۹۸۸ء) وہیں صدر المدرسین ہیں، عرصہ سے جماعتی خدمات میں بھی حصہ لے رہے ہیں اور کافی دنوں سے ناظم جمعیت اہل حدیث بستی کی نیابت کرتے آرہے ہیں۔

وقت نہایت ضعیفی کی حالت میں رہے ہوں گے، ورنہ ان بزرگ ہستیوں کی آمد پر علاقہ کی اہم مناظرانہ کانفرنس سے غیر حاضری آپ جیسے بزرگ سرفروش اسلام سے بعید چیز تھی اور چوں کہ اس کانفرنس کے منتظم مولانا عبدالوہاب بانسوی تھے، جن کا انتقال ۱۹۲۴ء میں ہوا، اس لیے آپ کی نقاہت کا یہ دور لازماً ۱۹۲۴ء سے پہلے ہوگا، اس طرح آپ کا انتقال بیسویں صدی کے ربع اول میں سمجھنا چاہیے۔

(۲۷)

مولانا عباداللہ یوسف پور (بستی)

مولانا عباداللہ کے آباء واجداد یوسف پور کے مستقل باشندے تھے، البتہ آپ کے خسر رجب علی کسی اور جگہ کے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ یوسف پور آ گئی تھیں، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد آپ کے بچپن میں فوت ہو چکے تھے، گھر پر ممکن ہے کچھ کھیتی رہی ہو ویسے زمینداری کا سلسلہ مولانا کے وقت میں ہوا، آپ کی صاحبزادی کا بیان ہے کہ ''گڑھیا'' (ایک گاؤں کا نام جو مولانا کے گاؤں یوسف پور کے پورب ہے) میں آٹھ آنہ (یعنی گڑھیا گاؤں کی نصف) زمینداری آپ کے وقت میں ہوئی اور سولہ آنہ یوسف پور میں زمینداری ہوئی۔

تاریخی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی ولادت ووفات کے متعلق تخمینے کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا، خیال ہے کہ آپ کی ولادت سید جعفر علی نقوی کے بالاکوٹ سے واپسی ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء اور بستی میں تبلیغی ودعوتی سرگرمیوں سے کچھ آگے پیچھے ہونی چاہیے، بہت ممکن ہے کہ انھیں کی تحریک وتحریض پر آپ کے سرپرست آپ کو پڑھانے کی طرف متوجہ ہوئے ہوں، بہرحال آپ نے ضلع بستی کے سب سے اہم دعوتی مرکز بانسی (جس کو خود جعفر علی صاحب اپنا خاص مرکز بنائے ہوئے تھے) میں

مولانا سید جعفر علی نقوی کے خاص معاون و مددگار مولانا محمد اسحاق محدث بانسوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور غالباً انھیں دونوں بزرگوں کی رہنمائی میں میاں صاحب کی خدمت میں حدیث پڑھنے کے لیے دہلی پہنچے، اس زمانے کی تعیین کے لیے آج کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے، البتہ مدرسہ کی تاسیس ۱۸۵۴ء میں سید جعفر علی نقوی کے ہاتھ عمل میں آئی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس سے پہلے یقیناً فراغت حاصل کر کے یوسف پور میں آچکے تھے، کیوں کہ آپ ہی کے اہتمام سے مدرسہ قائم کرنے کی بات آئی تھی، اس طرح میاں صاحب سے آپ کے تلمذ کا زمانہ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۳ء تک میں کسی وقت ہونا چاہیے، آپ کے وطن لوٹنے کے وقت سید جعفر علی نقوی کا دائرہ تبلیغ کافی وسیع ہو چکا تھا، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغی اور علمی سرگرمیوں کے علاوہ علاقہ بستی، گورکھپور اور نیپال کی ترائی کے حصے میں آپ تبلیغی و دعوتی سفر بڑی سرگرمی سے کر رہے تھے، چوں کہ آپ کو ایک بڑے حلقے کی نگرانی کرنی ہوتی تھی، اس لیے دوسرے افراد کو اپنے کاموں میں معاونت کے لیے آمادہ کرتے تھے، مولانا عباد اللہ صاحب انھیں لوگوں میں سے ایک ہیں جنھیں سید صاحب نے مدرسہ کا ایک نظری خاکہ دے کر نئی نسل کی تعلیم اور عوام کی اصلاح کا ذمہ دار ٹھہرایا جسے مولانا نے اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ آپ کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود آپ کے آثار اس کی خاموش شہادت دے رہے ہیں، بہر حال مدرسہ بلا عمارت گاؤں میں چلتا رہا اور مولانا عباد اللہ صاحب تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، بعد میں مولانا نور اللہ کے پڑھ کر واپس آنے کے بعد کچھ دنوں تک مدرسہ گاؤں ہی میں رہا، پھر گاؤں سے باہر اس جگہ میں لایا گیا جس میں اب ہے، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد علاقے کے انگریز انچارج کے تبادلے کے بعد جو صاحب علاقے کا حاکم بن کر آیا اس نے اپنی زمین میں چھپر دیکھ کر ڈانٹا ڈپٹا اور مدرسہ وہاں سے ہٹوا دیا مدرسہ پھر گاؤں میں منتقل ہو گیا اور ایک سال

کے بعد جب دوبارہ پہلا ہی حاکم علاقہ لہرا سے اس علاقے میں تبادلے کے بعد آیا تو اس سے گزارش کی گئی، اس نے پھر مدرسہ بنانے کی اجازت دے دی، مگر مولانا نے اس مرتبہ اس سے مدرسہ کے رجسٹر پر لکھوالیا کہ یہ زمین اس اسلامی عربی مدرسہ کو دی جارہی ہے، زمین جونہی مدرسہ کو ملی، مولانا نے علاقہ کے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کیا جن میں حاجی دلگنج (پرینا) حاجی الٰہی (رسالت پور عرف پریا) ضیاء الدین (سیکوٹ) حاجی دین محمد (کریم پور) مہتو عبداللہ (بسالت پور) وغیرہ خاص اہمیت رکھتے تھے، سب کو اکٹھا کرنے کے بعد آپ نے مدرسہ بنانے اور اس میں لڑکوں کے داخل کرنے کی رائے پیش کی تمام حضرات نے جنس ونقد دینے کا وعدہ کیا، اب ٹین اور پھس کے تین چار کمرے تیار کر لیے گئے اور یہیں تعلیم ہونے لگی مولانا کے زمانہ میں مولانا نوراللہ آپ کے معاون مدرس تھے، مولانا عبدالغفار صاحب صرف اپنے والد کے بارے میں بتا سکے ہیں مگر مولانا کی صاحبزادی کا کہنا ہے کہ گھر کے پاس ہی ایک مکان میں دوسرے مولوی (یعنی مولانا عباداللہ کے بجائے دوسرے عالم) پڑھاتے تھے، ایک لنگڑے میاں بھی تھے جو پڑھاتے تھے، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا آخری وقت میں تدریس ترک کر چکے تھے، زمینداری کی دیکھ بھال اور علاقہ میں اصلاح وتبلیغ آپ کا دائرۂ کار تھا، تدریس کا کام آپ کی حیات میں بھی دوسرے لوگ کرتے تھے، آپ کے بارے میں مولانا عبدالغفور بسکوہری فرماتے ہیں۔

''مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم کے شاگردوں میں سے متدین اول شاگرد مولانا عباداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ یوسف پور علاقہ مٹکا متصل علاقہ نیپال کے رہنے والے تھے، آپ بھی شیدائے سنت تھے، علم کا بہت کچھ شوق تھا، آپ کے کتب خانے میں نایاب کتابیں موجود رہتی تھیں، آپ کو بھی مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، آپ کی کوشش سے علاقہ نیپال میں جماعت اہل

حدیث کی خوب ترقی ہوئی یہاں تک کہ علاوہ دو ایک جگہ کے سارا علاقہ اہل حدیث ہوگیا۔" (اہل حدیث امرتسر ۲۳/ رمضان ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۶/ مارچ ۱۹۲۸ء)

مولانا عبدالجلیل رحمانی مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں کے قیام ۱۹۴۴ء کے ساتھ آٹھ ماہ بعد ہونے والے پہلے اجلاس منعقدہ ۵، ۶/ اپریل ۱۹۵۴ء کے خطبۂ صدارت ص: ۴ و ۵ پر لکھتے ہیں۔

"شمس العلماء میاں سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے شاگرد رشید حضرت علامہ عباد اللہ"۔۔۔۔۔

"یہ کتابیں کہیں منتقل نہیں ہوسکیں اور بہت حد تک ضائع ہوگئیں اور باقی کتابیں ضائع ہو رہی ہیں، آپ کی کچھ کتابیں رام پور کے مولانا عبدالحق کے پاس تھیں۔"

مولانا کی صاحبزادی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آخر وقت میں غربت کے شکار ہو چکے تھے، زمینداری ضرور تھی مگر آپ نے سیکوٹ نامی گاؤں کے ایک آدمی سے ۳۰۰/ روپیہ قرض لیا تھا اور قرض کی ادائیگی سے پہلے انتقال کر گئے تھے، آپ کے سمدھی اور آپ کے صاحبزادے مولوی عبدالحي کے خسر امانت صاحب (موضع چکئی جوت) نے خواب میں دیکھا کہ مولانا ان کے پاس بیٹھے ہیں، مولانا کے ہاتھ میں کنگن ہے، آدھا ہرا اور آدھا (کوئی ایسا رنگ جسے وہ بھول گئیں) ہے، خیریت پوچھی تو بتایا کہ قرض دار ہوں اسی کی تکلیف ہے، پھر سیکوٹ والوں نے قرض معاف کر دیا، مولانا کی چھوٹی صاحبزادی اور آپ کے چھوٹے داماد حاجی محمد خاطر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انتقال ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیان ہونا چاہیے، ویسے ۱۸۹۷ء زیادہ قرین قیاس ہے ویسے ان کا کہنا ہے کہ آپ کی وفات ۱۸۸۰ء میں ہوئی، اسی (۸۰) سال بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہوا ہوگا انتقال کے وقت آپ بہت بوڑھے نہیں ہوئے تھے، رمضان میں بیمار ہوئے اور شوال کی چار پانچ تاریخ کو جاڑے کے زمانہ میں انتقال ہوا، اس وقت فصلی

مہینہ اگہن کا تھا،سن کی تصریح معلوم نہیں ہوسکی، آپ کے انتقال کے وقت آپ کے صاحبزادے عبدالحی دہلی میں زیر تعلیم تھے،رمضان کی تعطیل میں گھر آئے ہوئے تھے کہ یہ حادثہ پیش آیا،آپ کے تین لڑکے تھےلڑکوں کے نام حسب عمر یہ ہیں:

عبدالرحمٰن،مولانا عبدالحی اورمحمد بشیراور پانچ لڑکیاں تھیں،جن میں سب سے چھوٹی لڑکی بیر ہوانامی گاؤں میں حاجی محمد خاطر کومنسوب تھیں اور۱۹۸۰ء میں بقید حیات ہیں۔

عبدالرحمٰن سب سے بڑے تھے،اس لیے مولانا کے انتقال کے بعد پوری جائیداد انھیں کے نام سے منتقل ہوئی، یہ خاندان مولانا کے بعد بیس سال تک یوسف پور میں رہا، پھر جب عبدالرحمٰن کا انتقال ہوگیا توان کی بیوہ (جو حاجی الٰہی رسالت پور کی لڑکی تھیں)نے حاکم علاقہ کے سامنے زمین سے دست کش ہونے کا بیان دے دیا،اب پوری زمین اس خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی،عبدالرحمٰن کی بیوہ نے اپنے والد سے مڑلا نامی گاؤں کی زمینداری لے لی اور وہاں منتقل ہوگئیں،عبدالرحمٰن کے پوتے اس گاؤں میں موجود ہیں، مولانا عبدالحی کی سسرال چکئی جوت نامی گاؤں میں امانت صاحب کے یہاں تھیں، وہ وہاں منتقل ہوگئے اور چوں کہ بھائیوں میں تنہا عالم تھے اس لیے والد کی ساری کتابوں کے اکیلے وارث ہوئے، بعد میں انھوں نے تیواری پور نامی گاؤں میں پچاس بیگھے زمین لی اور وہاں منتقل ہوئے،آپ کی اولاد اور آپ کے والد کی کتابیں اس گاؤں میں اب بھی موجود ہیں،[1] ان کی اولاد میں حاجی محمد صدیق اور ماسٹر محمد یوسف ہیں،تیسرے لڑکے محمد بشیر نے گزر بسر کے لیے بیر ہوا(متصل بڑھنی بازار) میں کچھ زمین خریدی اور وہیں عمر گزاری۔

---

(۱)۱۹۸۰ء کے کچھ بعد ماسٹر یوسف سے ملا تھا،مگر کوئی کتاب نہیں ملی تھی۔

(۲۸)

مولانا عبدالاحد پرینا (بستی)

مولانا عبدالاحد صاحب موضع پرینا (نزد یوسف پور) کے رہنے والے تھے، آپ کی پیدائش بٹئی ڈیہہ (گورکھپور) میں ہوئی، آپ کے والد محترم آپ کو بچپن ہی میں لے کر پرینا چلے آئے، ابتدائی تعلیم دارالہدیٰ یوسف پور میں ہوئی، پھر انتری بازار میں پڑھا، دوسال کے لیے بونڈیہار گئے، پھر مولانا عبدالرحمٰن بجواوی سے استفادہ کی غرض سے بجوا (گونڈہ) حاضری دی، کچھ دنوں پڑھنے کے بعد مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور گئے غالباً آخر میں مدرسہ میاں صاحب دہلی میں پڑھا اور فراغت حاصل کی۔

پڑھنے کے بعد قنوج، کلکتہ، کانپور اور پھر یوسف پور میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، یوسف پور میں تقریباً (۳۰) سال تک عربی کی تعلیم دی، اخیر عمر میں نقاہت بڑھی تو گھر ہی پر رہنے لگے تھے، نومبر ۱۹۷۸ء میں انتقال ہوا۔

بوقت انتقال عمر لگ بھگ ستر (۷۰) برس کی رہی ہوگی، علاقہ نوگڑھ میں تلامذہ کی بڑی جماعت صدقۂ جاریہ چھوڑی۔ ان میں چند یہ ہیں:

مولانا محمد ابراہیم صدر مدرس دارالہدی یوسف پور، ڈاکٹر وصی اللہ مدرس معہد المسجد الحرام مکہ، مولانا رحمت اللہ، مولانا خلیل الرحمٰن، مولانا مجیب اللہ وغیرہ آپ بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور اللہ سے ڈرنے والے بزرگ تھے، چہرے سے بزرگی کے آثار ہویدا تھے۔

(۲۹)

حاجی عبدالجبار سرمہ دانی والے گنوریا (گونڈہ)

مولانا عبدالغفور بسکوہری فرماتے ہیں ”دوسری مخلص ہستی جو اس ہدایت کے واسطے

پیدا ہوئی وہ حاجی عبدالجبار صاحب مرحوم سرمہ دانی والے کی ہستی ہے، آپ مقام گنوریا ریاست بلرام پور کے رہنے والے تھے، آپ نے توحیدوسنت کی اشاعت میں جس طرح خلوص سے کام لیا ہے، اس کی مثال خیر القرون ہی میں مل سکتی ہے، آپ سرمہ دانی دستکاری سے بقدر ضرورت کسبِ حلال حاصل کرتے تھے، شب وروز اپنی عمر کا حصہ اشاعت توحید وسنت میں صرف کرتے تھے، آپ کی اشاعت سے علاقہ میں خوب توحید پھیلی، باوجود لاعلمی کے آپ کا وعظ اسرار سے بھرا ہوا بے نظیر ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا تھا، آپ کی بات بجلی کی طرح اثر کرتی تھی، رحمہ اللہ۔" (اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۳/رمضان ۱۳۴۶ھ)

(۳۰)

مولانا عبدالجلیل اوسان کوئیاں (بستی)

وطن اوسان کوئیاں میں مدرسہ مظہر العلوم کے اساتذۂ افاضل خصوصاً مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ وغیرہ سے استفادہ کیا اور سند فراغ حاصل کی، کچھ عرصہ مدرسہ مذکور میں پڑھاتے رہے، بعد میں مشرقی ہند کے بعض اضلاع خصوصاً بہار کا رخ کیا اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، آخر عمر میں گھر رہنے لگے اور یہیں انتقال فرمایا۔

(۳۱)

مولانا عبدالجلیل پرینا (بستی)

نام عبدالجلیل، مولد ومسکن موضع پرینا، ابتدائی تعلیم یوسف پور میں پائی، پھر بریلی، بنارس، جامعہ رحمانیہ اور کانپور کا سفر تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کیا، اخیر میں دہلی گئے اور مدرسہ میاں صاحب سے فراغت حاصل کی--- بعد از فراغ درس وتدریس کا موقع نہیں ملا، اپنے مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور کے ۲۵ (پچیس) سال تک ناظم رہے اور

مدرسہ کی مختلف ضروریات کے لیے اپنی صلاحیت اور وقت کی قربانی پیش کرتے رہے، ۱۹۸۱ء میں انتقال فرمایا۔

(۳۲)

مولانا عبدالجلیل رحمانی ششہنیاں (بستی)

والد کا نام تعلقدار، مسکن موضع ششہنیاں متصل برڈپور، ابتدائی تعلیم گورا بازار اور مدرسہ دارالہدی یوسف پور وغیرہ میں ہوئی، عربی کی اصل تعلیم دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں پائی اور مولانا نذیر احمد املوی وشیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری وغیرہ سے کسب فیض کیا، فراغت ۱۹۳۶ء کے بعد دارالحدیث رحمانیہ ہی میں مدرس رکھ لیے گئے، جو قابل فخر چیز تھی اور اپنے اساتذہ کے ساتھ چند سال پڑھاتے رہے، ۱۹۴۴ء میں مدرسہ دارالعلوم موضع ششہنیاں میں قائم کیا اور عرصہ تک اس کی باگ ڈور سنبھالے رہے، کچھ دنوں تک مصباح نامی ماہنامہ بھی نکالا جو اہل حدیثوں کا دوسرا اہم علمی پرچہ تھا۔

۱۹۵۶ء میں آپ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت سونپی گئی مگر ۱۹۴۷ء کے بعد جمعیت میں کسی طرح کی کوئی خاص حرکت کسی بھی ناحیہ میں نہیں رہی۔

دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، ترجمہ، تعریب، نشر واشاعت، جماعتی صحافت، تنظیم جماعت، ارتباطات وتعلقات غرض یہ کہ تمام ہی شعبے معطل رہے، نام کی گاڑی چلتی رہی، البتہ ۱۹۶۱ء میں مرکزی جمعیت کی کل ہند کانفرنس جونوگڑھ ضلع بستی میں منعقد ہوئی تھی کامیاب رہی اور وہیں مرکزی دارالعلوم کے فکرہ کو فعلاً وجود میں لانے کے لیے تدابیر عمل میں لائی گئیں اور ۱۹۶۳ء میں مرکزی دارالعلوم کی تاسیس بنارس میں عمل میں آ گئی۔

مولانا نے ایک رسالہ غالباً فراغت کے فوراً بعد لکھا اور چھپوایا تھا موضوع تھا ''شہدائے احد'' اس موضوع پر گو اردو میں کوئی کتاب نہیں موجود تھی پھر بھی کتاب عوامی

نہیں اہل علم کی تھی کیوں کہ موضوع ہی علمی تھا، اس ناحیہ سے میری نظر میں کتاب پر نظر ثانی ضروری ہے، مگر تعجب کی بات ہے کہ دوسرا ایڈیشن تقریباً نصف صدی بعد شائع ہوا اور وہ بھی بلا نظر ثانی کیے ہوئے۔

مولانا پر ادبار کا ایک دور اس وقت آیا جب مدرسہ دارالعلوم آپ کی نظامت سے نکل گیا اور قرب وجوار کے لوگ آپ کی کچھ چیزوں سے نالاں ہو کر غم وغصہ کا اظہار کر بیٹھے، اور ٹھیک اسی دور میں آپ نے منقسم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دوسرے دھڑے (یعنی حافظ یحییٰ کا گروپ) سے ہاتھ ملایا اور تادم تحریر اسی کے اہم رکن ہیں۔

دارالعلوم ششہنیاں کی نظامت اس سال (۱۹۸۳ء) پھر آپ کو سونپ دی گئی ہے مگر گذشتہ سالوں کے مدرسین، مدرسہ میں نہ رکھے جانے کی وجہ سے شدید غیظ وغضب میں ہیں جس سے آپ کی نظامت پر اثر پڑنے کا خطرہ ہے۔

حق یہ ہے کہ آپ کے پاس جو علم اور جو ملکۂ تحریر تھا اسے آپ نے اس کے بچپن ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا، اگر آپ نے کچھ کیا ہے تو وہ ہے جماعتی صحافت پر مستقل ادارتی نوٹ جس میں ایک ہی مسئلہ پر بیسیوں بار لکھا گیا ہے۔

اس وقت عمر ساٹھ پینسٹھ (۶۰۔۶۵) کے درمیان ہوگی۔ (۲۰/ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ، مدینہ طیبہ)

مولانا اہلِ حدیثان ہند میں بڑی اہم اور قدآور شخصیت کے مالک تھے، علم وفضل، دانائی وبینائی، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کا پیکر تھے، آپ کے زمانے میں آپ جیسی مدبرانہ صلاحیتوں کے مالک کم ہی دیکھے گئے، مگر افسوس کہ ان صلاحیتوں کا استعمال صحیح طور پر نہیں ہوسکا اور ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کی سنگلاخ وادی میں اسے خشک ہونا پڑا، ویسے علاقہ میں آپ نے بڑی خدمتیں کی ہیں، صرف مدرسہ دارالعلوم کے منبر سے ایک طرف علاقہ مٹکا اور اس سے متصل نیپال کی ترائی میں دعوت وتبلیغ ہوتی تھی

تو دوسری طرف ماہنامہ مصباح کے ذریعہ ہندوستان بھر کے علماء اور عوام کی ضرورت پوری کی گئی، تیسری طرف پورے علاقہ میں دینی تعلیم کا ایک خاص رجحان پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں جگہ جگہ مدارس و مکاتب قائم ہوئے، آپ کے مدرسہ کے مستفیدین نے مساجد، مکاتب اور مدارس میں اپنی جگہ بنائی، مجھے یاد ہے کہ ۶۷-۱۹۶۶ء میں مَیں یہاں مکتب میں زیر تعلیم تھا تو کم از کم پچیس تیس گاؤں کے مسلمان اور ہندو بچے یہاں پڑھنے آتے تھے اور علماء و طلبہ مختلف گاؤں پر جمعہ پڑھانے کے لیے منتشر ہو جاتے تھے اس مدرسہ نے علاقہ میں علم کا ڈنکا بجا دیا اور اکثریت کو چارو ناچار مدرسہ میں آنا پڑا، خاص ششہنیاں میں ہر گھر میں کوئی نہ کوئی مولوی یا ماسٹر اور اونچے درجہ کا کوئی صاحبِ ڈگری و صاحبِ ہنر نظر آئے گا، یہ مولانا کے قائم کردہ مدرسہ کی برکت سے ہے اور حق تو یہ ہے کہ مجھے ان سطروں کو لکھنے کے لائق بننے میں آپ کے احسانات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مولانا بڑے خوش اخلاق، مہمان نواز، شریف النفس اور حلیم الطبع تھے، بڑوں اور ہم عمروں و ہم منصبوں کی کون کہے مجھ جیسے طالب علموں کی ایسی عزت اور قدر کرتے تھے جس کے لائق ہم ہرگز نہ ہوتے، اس مناسبت میں مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ کا بیان کردہ ایک واقعہ نقل کرنا کافی ہے، ان کا بیان ہے کہ مولانا عبدالجلیل رحمانی اور مولانا عبدالرؤف رحمانی میں ناچاقی ہوگئی، اسے رفع دفع کرنے کے لیے میں اور مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی ششہنیاں مغرب بعد پہنچے، علیک سلیک کے بعد خیریت پوچھی اور کہا کہ اس وقت کیسے آنا ہوا؟ ہم لوگوں نے غرض زیارت ذکر کیا تو کہا بس بس آپ حضرات کا اس مقصد سے آنا ہی بہت ہے اس طرح بلا کسی تفصیلی گفتگو، سفارش و شرط کے رنج دور کر کے تعلقات بحال کر لیے۔

(۳۴)

قاری عبدالحق بن مولانا عبدالوہاب بانسوی (بستی)

نوشہروی صاحب نے آپ کا تذکرہ یوں کیا ہے ''متوطن بانسی درس نظامی کی تکمیل مدرسہ جامع العلوم کانپور میں کی، فنِ قرأت (مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ) قاری عبدالرحیم صاحب سے سیکھا، طب لکھنؤ میں پڑھی، اپنے مولد میں مطب کرتے ہیں، دینی کاموں میں دلچسپی ہے جس کی وجہ سے ماحول پر کافی اثر ہے، عام رجحانات سیاسیات کی طرف ہے۔'' (تراجم علماء حدیث ہندص:۴۷۱) مولانا رئیس الاحرار آپ کے انتقال کے بعد ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

'' لگ بھگ ۱۶۔۱۹۱۵ء میں اپنے آبائی وطن بانسی ضلع بستی میں پیدا ہوئے، والد ماجد کی طرح والدہ بھی بہت عابدہ، زاہدہ اور قناعت وتوکل والی تھیں، جواں سالی میں بیوہ ہوگئی تھیں مگر صاحب موصوف کی بہت اچھی تربیت کی، بچپن میں تعلیم وتربیت اپنے والد کے زیر سایہ پاتے رہے، والد بذات خود تعلیم دیتے تھے، سات آٹھ سال کی عمر تھی کہ یتیم ہوگئے، ایسے عظیم الشان مشفق باپ کا سایہ سر سے اٹھا جس کی موت سے قصبۂ بانسی اور پورا قرب وجوار اپنے کو یتیم محسوس کرنے لگا تھا مگر بانسی کے اہل دل حضرات اور راجہ خاندان نے دل داری وہمدردی کا پورا حق ادا کیا۔

ابتدائی تعلیم قصبہ کے اہل علم ومعلمین سے حاصل کی، جیسا کہ تراجم علماء حدیث میں ہے، درس نظامی کی تکمیل مدرسہ جامع العلوم کانپور میں کی، سال فراغت لگ بھگ ۳۸۔۱۹۳۷ء ہے، موصوف ''قاری'' کے لقب سے پکارے جاتے اور یہ لقب دراصل ان کا اسم علم بن چکا تھا، فن قرأت پر اچھی نگاہ رکھتے تھے، مختلف اساتذہ سے یہ فن انھوں

نے سیکھا، موصوف نے فارغ ہونے کے بعد اگرچہ دینی وعلمی خدمات کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، بلکہ گھر کی معمولی زراعت (جو زیادہ سے زیادہ پانچ بیگھا پختہ تھی) کی آمدنی پر قناعت کرنے کے ساتھ مطب کرتے اور عموماً بے معاوضہ، لیکن دینی وقومی کاموں میں بڑی سرگرمی ودلچسپی سے مصروف رہتے تھے، موصوف کو جو لوگ جانتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ نہایت سادہ وعسرت کی زندگی گزارنے کے باوجود نہایت قانع ومتوکل اور صابر وشاکر رہا کرتے تھے اور اس کی تعلیم وتلقین دوسروں کو بھی کرتے، پوری ریاست بانسی میں اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر دیہات کے گاؤں میں مدارس ومکاتب قائم کروانے کی ترغیب وتحریض کی اور اس میں کامیابی ہوئی، دینی امور سے بے توجہی عام تھی، مگر موصوف نے بہت حکمت عملی سے کام لے کر مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور ان میں سیاسی شعور بھی پیدا کرنے کی جدوجہد کی، تمام ملنے جلنے والے مسلمانوں خصوصاً اہل حدیثوں کو تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دلاتے تھے اور اس سلسلے میں حتی الامکان لوگوں کی اخلاقی مدد نہایت خلوص سے کرتے، اپنی سفارشوں کے ذریعہ آسانیاں مہیا کرنے میں موصوف کی خدمات نہایت کامیاب تھیں، موصوف ایک سچے قوم پرور اور سیاست میں کانگریسی تھے، بڑے بڑے لیڈروں سے گہرے تعلقات اور سرکاری حکام اور راجہ کے خاندان سے روابط رکھتے تھے، مگر دین میں اتنی پختگی تھی کہ لیڈر و حکام اور امراء ورؤسا اُن سے خائف رہا کرتے تھے، اس خوف کے ساتھ محبت وعقیدت کے جذبات بھی پائے جاتے تھے، بانسی کے مشہور کانگریسی لیڈر محمد سلیمان صاحب ادھمی وکیل وایم.ایل.اے. حنفی المذہب ہونے کے باوجود نماز جمعہ اور دوسری نمازیں قاری صاحب ہی کے پیچھے اہل حدیث جامع مسجد میں پڑھتے، حالاں کہ قاری صاحب بسا اوقات انھیں بعض باتوں پر سختی سے ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے، یہی حال متعدد افراد کا تھا، جماعت اہل حدیث

اورمرکزی دارالعلوم سے جذباتی لگاؤ تھا ،نوگڑھ اورتلشی پور کی اہل حدیث کانفرنسوں کوکامیاب بنانے میں آپ کی خدمات قابل قدر ہیں، زندگی بھرجامع مسجد بانسی کے امام وخطیب رہے، مگرمعاوضہ کبھی نہ لیااورصبروشکر کے ساتھ دینی خدمات انجام دیتے رہے، یہ عجیب بات تھی کہ اہل وعیال اور بال بچوں کے ہوتے ہوئے دن رات کے بیشتر اوقات مسجد ہی میں بسر کرتے ،مسجد کا چھوٹا سا حجرہ آپ کا مسکن تھا،مطب کا کاروبار عرصہ سے چھوڑ رکھا تھا،کم سے کم میں نے جب ہوش سنبھالا ہے تب مطب کرتے ہوئے نہیں پایا،عوام وخواص میں موصوف کو بڑی مقبولیت اور ہر دلعزیزی بھی حاصل تھی، غیر مسلک کے لوگ بھی عقیدت ومحبت رکھتے تھےاورغیر مسلم بھی والہانہ طور پر ربط وضبط رکھتے، اس کا مظاہرہ خاص طور سے اس وقت ہوا جب موصوف مرض الموت میں مبتلا ہوئے ،۶۵۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے بانسی کی جامع مسجد کی تعمیر نواس انداز پر کرائی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں، مسجد کی طرح مدرسہ کی عمارت بھی بہت اچھی بنوائی ہے اورمحدود وسائل کے باوجود جس طرح کی عمارت موصوف نے بانسی کی مقامی جماعت کوودیعت کی ہے اس کی پوری قدراسی وقت ہوگی کہ اس میں موصوف کے حوصلوں کے مطابق تعلیم وتدریس کا بندوبست کیا جاسکے۔

۱۹رشوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴را کتوبر ۱۹۷۶ء کودن گزار کر جمعہ کی رات میں رحلت کرگئے ، دینی ومذہبی اورقومی وملی خدمات میں نہایت سرگرم رہنے کے ساتھ اخلاص وتقوی وطہارت ،زہد وعبادت میں اپنی مثال آپ تھے،کلمۂ حق کے اظہار میں نہایت بے باک ونڈر، بہت حق گو،حق پسندوحق پرست تھے، بےلوث اورکھرے اتنے کہ ضرب المثل کا مقام رکھتے تھے، دوبیٹیوں کے علاوہ ایک لڑکے ماسٹر عبدالسلام ہیں جومقامی انٹر کالج میں ٹیچر ہیں، سادگی وخوش اخلاقی میں باپ کے نمونہ ہیں مگر علمِ دین اوردینی

خدمات میں موصوف باپ کے جانشین نہ بن سکے۔‘‘ (ترجمان حج نمبر۱۹۷۶ء)

(۳۴)

مولانا عبدالحمید رحمانی تندوا (بستی)

عبدالحمید بن عبدالجبار نام ابوعبدالسلام کنیت، موضع تندوا علاقہ کھنڑسری مولد اور دہلی مسکن ہے، والد معمولی پڑھے لکھے آدمی تھے، مگر شریعت کی پابندی قابل رشک درجہ کی تھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شعار تھا، مولانا عبدالحمید کی ابتدائی عربی تعلیم مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار اور مدرسہ شمس العلوم سمرا وغیرہ میں ہوئی، یہاں اساتذہ میں مولانا محمد زماں مرحوم اور مولانا عبدالمبین منظر حفظہ اللہ[۱] قابل ذکر ہیں۔

عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ نے اس وقت کی ہندوستان کی اہم ترین درس گاہ جامعہ رحمانیہ بنارس کا انتخاب کیا، یہاں مولانا نذیر احمد املوی کی شخصیت تھی، مرحوم دارالحدیث رحمانیہ کے روح رواں تھے اور علمی تمکنت، بہتر اسلوب تدریس، اخلاقی بلندی، ہیبت و وقار اور تواضع وخلوص وغیرہ میں اس وقت کے ہندوستانی علماء میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آپ نے مولانا املوی سے خوب کسب فیض کیا، فراغت کے بعد وہیں مدرس مقرر ہوئے، ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ۱۹۶۶ء میں مرکزی دارالعلوم بنارس کا تعلیمی افتتاح ہوا، اس موقع پر جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ کے لیے مرکز سے چار سیٹیں منظور ہوئی تھیں، جامعہ رحمانیہ ہی کے طلبہ سے چار افراد کو منتخب ہونا تھا، چنانچہ آپ کا اور مولانا عبدالسلام (ٹکریا بستی) مولانا عبدالرحمٰن (پیپر گڈی) اور ڈاکٹر وصی اللہ (پپرا بھوج بستی) کا انتخاب ہوا، آپ نے جامعہ اسلامیہ میں بی.اے. کا چار سالہ کورس کلیۃ الدعوۃ سے مکمل کیا اور ۱۹۷۰ء میں تکمیل کے بعد ہندوستان لوٹے، اولاً

(۱) اور اب رحمہ اللہ

مرکزی دارالعلوم بنارس میں مدرس مقرر ہوئے، مگر کچھ دنوں بعد آپ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت کی ذمہ داری سونپ دی گئی، آپ نے ایک سال تک (۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۲ء) مرکزی دارالعلوم بنارس میں رہ کر ہی تدریسی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ مرکزی جمعیت کی نظامت اور ترجمان کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی سنبھالیں، آخر تنظیم جماعت کی اہم ترین ضرورت کے پیش نظر جب آپ کو مجلس شوری نے دہلی میں ناظم عمومی منتخب کیا تو آپ کو دہلی میں رہ کر کام دیکھنے اور دورے کرنے کی ضرورت پڑی، اس لیے دہلی منتقل ہو گئے، تنظیم اور جماعتی تعارف، ثقافتی تعلقات اور علمی تدریس نیز دعوتی روابط کو جماعتی سطح پر مستحکم کرنے کے لیے آپ نے ہندوستان کے اکثر اہم مقامات کے دورے کیے، گمنامی میں پڑے بے شمار اہل علم، اصحاب قلم اور ارباب دعوت و تبلیغ کا تعارف کرایا اور ان کی خدمات حاصل کیں، بہت سے مقامات پر جماعتی نظم و نسق قائم کرایا، جھگڑوں کے تصفیے کرائے، اخبار ترجمان کا علمی اور صحافتی معیار اتنا بلند کر دیا کہ ہم مرکزی دارالعلوم کے طلبہ اس دور کے ترجمان کا ٹھیک اسی طرح انتظار کرتے تھے، جیسے مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال اور البلاغ کے لیے، ان کے زمانہ اور مزاج کے لوگ اور حق یہ ہے کہ یہ ترجمان کی زندگی کا سب سے بہتر دور تھا، جب مجلس شوریٰ کے باتفاق رائے منتخب ناظم عمومی کو مجلس عاملہ کی اکثریت کے فیصلے سے معطل کر دیا گیا تو آپ نے کچھ دنوں تک اپنا تعلق جامعہ دارالسلام عمرآباد سے جوڑ لیا، لیکن جلد ہی سمجھ میں آ گیا کہ جماعت اہل حدیث کے نصب العین سے اس کی مسافت کتنی طویل ہے، اس لیے اس سے علاحدگی اختیار کرنی ضروری ہو گئی۔

مرکزی جمعیت سے علاحدگی کے بعد سے لے کر ۱۹۸۰ء تک کی زندگی گو دینی و ملی خدمات، جماعتی تعاون اور دعوت و تبلیغ کے اشغال سے یکسر خالی نہیں پھر بھی یہ دور آپ کی اس وقت تک کی عملی زندگی کا ایک غیر معمولی حادثہ تھا، کیوں کہ اس عرصہ میں بظاہر آپ کے

افکار واشغال کا بنیادی محور جھوٹی اور عیار ہندوستانی سیاست تھی، اس عرصہ میں آپ کے بہت سے احباب وبہی خواہ نالاں ہوئے اور کتنے ہی حسن ظن رکھنے والے بدظن ہوئے، مگر کسی کو کیا خبر تھی کہ وہ اپنی اللہ داد صلاحیت سے کام لے کر چند ہی دنوں میں مسلح ہوکر دوبارہ لوٹیں گے اور دین وعلم اور مسلک کی ایسی خدمت کریں گے جو ان کی صلاحیتوں کے شایان شان ہوگی، چنانچہ آپ نے رمضان ۱۴۰۰ھ کو معہد التعلیم الاسلامی کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی شوال سے تعلیم کا افتتاح کردیا، اور شوال ۱۴۰۳ھ تک میں نہ صرف ہندوستانی عربی مدارس میں ایک نمایاں مقام لیتا نظر آرہا ہے، بلکہ آپ کے بہت سے مخالفین اس کا عروج دیکھ کر رشک اور حسد کرتے اور ان میں کچھ اب اس ادارہ سے امیدیں وابستہ کیے نظر آتے ہیں اور ہو کیوں نہ جب اس نے تین سال کی عمر میں ایک طویل وعریض قطعۂ ارض پر اپنی بساط بچھادی ہے، مسجد، لائبریری، طلبہ واساتذہ کی قیام گاہ ودرس گاہ وغیرہ اکثر لوازم مدرسہ کی فراہمی کے علاوہ مرکز التوعیہ والدعوۃ والافتاء، نرسری اسکول، مولانا ابوالکلام آزاد اسکول، شعبۂ حفظ اور شعبۂ ترجمہ وتالیف ونشر وغیرہ کئی شعبے اور ادارے معہد کی ماتحتی میں وجود میں آئے اور کام کرنے لگے، اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے۔

آپ نہایت ملنسار، متواضع، خوددار، غیور، فیاض، سادہ طبیعت، خوش پوش، خوش خوراک، دوربیں، نکتہ رس، زودفہم، ذہین، قوی الحافظہ، قادرالکلام اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں، عام انسانی زندگی اور اپنے فن کی علمی زندگی میں بڑے سے بڑے آدمی کو اپنے قابو میں کرنے یا ہمنوا اور گرویدہ بنالینے کا جو ملکہ آپ میں دیکھا کسی میں نہیں دیکھا، لیکن کیا اتنی بلکہ اور نہ جانے کتنی خوبیوں والے انسان میں خامیاں نہیں ہیں، ضرور ہوں گی، اس وقت عمر لگ بھگ پینتالیس سال ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کار خیر کی توفیق دے اور کار بد سے دور رکھے۔ (آمین)

(۳۵)

مولانا عبدالحی بن عباداللہ تیواری پور (بستی)

آپ کی ولادت مولانا عباداللہ صاحب جیسے ذی شان عالم کے یہاں لگ بھگ ۱۸۸۵ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم یوسف پور میں مولانا عباداللہ کے قائم کردہ مدرسے ہی میں ہونی چاہیے، کیوں کہ کوئی دوسرا مدرسہ قرب وجوار میں نہیں تھا، آپ کچھ دنوں آرہ اور کچھ دنوں دہلی میں زیرتعلیم تھے اور مولانا کی وفات ۱۸۹۷ء کے آس پاس قرار پائی ہے نیز یہ کہ مولانا عباداللہ صاحب میاں صاحب کے شاگرد تھے اور میاں صاحب کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا، اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ اگر معقولات اور فنون کی کتابیں کسی حنفی مکتبِ فکر کے ادارے میں پڑھے ہوں تو اہل حدیث ہونے کے ناطے میاں صاحب سے حدیث کی سند ضرور لی ہو، یہ محض قیاس ہے اس کی پشت پر کوئی واضح قرینہ موجود نہیں ہے، خصوصاً مولانا عبدالحی کی زندگی میاں صاحب اور ان کے تلامذہ کے تدریسی، علمی اور دعوتی کاموں میں سے کسی بھی مشن سے میل نہیں کھاتی نظر آتی ہے، آپ نے زندگی بھر میں کبھی ان تینوں کاموں میں سے کسی کو نہیں اپنایا، صرف کھیتی باڑی کراتے رہے اور آخر کار موضع تیواری پور علاقہ برڈپور میں ۱۲/دسمبر ۱۹۶۰ء کو دار فانی سے کوچ کر گئے، آپ کے پاس آپ کے والد کا جمع کردہ کتب خانہ بھی تھا، جو منتشر ہو گیا اور کچھ کتابیں کیڑوں کے نذر ہو گئیں۔

(۳۶)

مولانا عبدالرب گینسڑی (گونڈہ)

(خودنوشت) ''نام عبدالرب بن مولانا شکراللہ سمرہنوی بانی مدرسہ زینت العلوم

گونڈہ، مولد و مسکن سمرہن کلاں متصل کواپور ریلوے اسٹیشن، پیدائش ۱۹۴۲ء ابتدائی تعلیم مدرسہ زینت العلوم میں والد مرحوم کے زیر سایہ ہوئی، وہاں سے ضلع گونڈہ کی مشہور عربی درسگاہ مدرسہ فرقانیہ میں داخلہ لیا، تیسری جماعت تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد مدرسہ دارالحدیث مئوناتھ بھنجن میں چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی، دوسال مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں رہ کر ۱۹۶۰ء میں فراغت حاصل کی۔

تعلیمی فراغت کے بعد چند ماہ تک کھیرہوا کے مدرسہ میں تعلیم دینے پر مامور رہا لیکن ۱۹۶۵ء میں والد کے مرحوم ہوجانے کے بعد مدرسہ زینت العلوم کی پوری ذمہ داری سنبھالنی پڑی، چند ناگزیر اسباب کی بناء پر آبائی مسکن سمرہن چھوڑکر گینسڑی سکونت اختیار کرلی، تقریباً بارہ برس تک مدرسہ فیض العلوم میں مدرسی کے فرائض انجام دینے کے بعد مستعفی ہوگیا اور تبلیغ دین کی خاطر ''دارالسنہ'' قائم کیا۔

تالیفات میں یہ چند چیزیں ہیں، جو طبع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں۔

(۱) ایمان اور اس کے تقاضے (۲) رسالت ایک نظر میں (۳) حقیقتِ آخرت (۴) مسنون نماز (۵) حقوق و معاشرت۔

آپ ایک اچھے مقرر اور خوش بیان واعظ بھی ہیں، جو والد سے وراثت میں ملی ہے یہی وجہ ہے کہ بستی و گونڈہ کے تقریبا تمام اہل حدیث جلسوں میں اور یوپی کے اہم اہل حدیث جلسوں میں آپ کو مدعو کیا جاتا ہے۔

جواں عمل اور محنتی آدمی ہیں، اپنے علاقہ میں اپنے والد کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہیں اور اب خود بھی اپنی جدوجہد سے ثابت کررہے ہیں کہ مولانا شکراللہ صاحب کے جانشین ہیں، اللہ کرے سچے جانشین بن سکیں، ابھی حال ہی میں دارالسنہ قائم کیا ہے جس سے متعلق مجھ جیسے سے مشورہ لینے میں نہیں جھجکتے جس سے کام کرنے اور عملی میدان میں کامیاب ہونے کی توقع نظر آتی ہے۔

(۳۷)

مولانا عبدالرحمٰن بجوا (گونڈہ)

مولانا عبدالرحمٰن کی کنیت تھی ابوالخطاب والد کا نام عبداللہ اور وطن ضلع گونڈہ میں بجوا نامی گاؤں جو بڑھنی بازار سے قریب واقع ہے۔ آپ کا گاؤں بڑے بڑے علماء کی آمد و رفت کا مرکز رہا ہے اور اسے کافی شہرت آپ کی وجہ سے بھی ہوئی ہے، تعلیم مولانا اللہ بخش بسکوہری (بونڈیہار میں) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی، مولانا مبارک پوری نے آپ کو اجازت علمیہ ۱۳۳۷ھ میں مرحمت فرمائی، آپ کا علمی پایہ بڑا بلند تھا آپ کے تلامذہ آپ کی ذہانت، صلاحیت اور صالحیت کے شاہد ہیں، بڑے ذی علم اور فقیر منش تھے، سادگی، تواضع، حلم و بردباری، سخاوت وقناعت، تقویٰ و پارسائی، اکل حلال اور شریعت کی پابندی احیاء سنن اور ورد باری تعالیٰ میں اپنی نظیر آپ تھے، آپ نے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں دو مرحلہ میں درس و تدریس کا کام کیا، اولاً ۱۹۴۶ء سے دو سال تک دوبارہ ۱۹۶۳ء سے کچھ عرصہ تک و یسے آپ نے مئو آئمہ اور سمرا میں اپنا فیضان درس جاری رکھا ہے۔

آپ کو مختلف فنون دینیہ میں مہارت تو حاصل تھی ہی سب سے مشکل فن (فرائض) میں آپ کو آپ کے عصر کے علماء مرجع سمجھتے تھے، آپ نے اس علم میں کامل دستگاہ حاصل کرنا، اس لیے بھی ضروری سمجھا تھا کہ ہندوستان میں قرآن کے حکم وراثت کو پامال کر ڈالا گیا تھا اور اس کے احیاء کے لیے ایک مخلص اور سرگرم داعی کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے اپنی دعوتی سرگرمی کا رخ اس طرف موڑ دیا، یوں دعوت و تبلیغ اور تدریس و تالیف کی طرف بھی توجہ رہی مگر آپ کا خاص نشانہ وراثت کی ترویج سے

متعلق ہوا کرتا تھا، چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے ایک رسالہ بھی لکھا، جو رحمت الفرائض کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں انتظامی پریس کانپور سے شائع ہوا، آپ نے شرعی حیثیت سے اپنی وراثت تقسیم کرنے کی تاکیدی وصیت فرمادی تھی، اس فن میں آپ کی مہارت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے گھر کا بچہ بچہ ہر حق دار کا حق جانتا تھا۔

آپ کے ایثار و قربانی اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آپ مئو آئمہ پڑھانے گئے تو مشاہرہ سال کے شروع ہی میں منجمد کرادیا اور سال کے آخر میں پوری تنخواہ لے کر گھر آئے اور گاؤں پر ایک مدرسہ بنوا کر اہل قریہ کے لیے وقف کر دیا، آپ نے گاؤں پر بھی درس و تدریس کا کام کیا ہے اور آپ کی اصلاحی کوششوں کے اثرات بھی بڑے اچھے رہے ہیں، آخر کے چار سال کافی ضعیفی کے عالم میں گزرے، اس وقت نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی لیکن اس حالت میں بھی دیکھنے والوں کے بیان کے مطابق آپ کی انگلیاں مسلسل متحرک اور زبان اللہ اکبر سے تر تھی آخر کار علم و عمل کا یہ مجاہد ۶ رفروری ۱۹۷۲ء کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گیا۔

(۳۸)

مولانا عبدالرحمٰن بکھریا (بستی)

عبدالرحمٰن نام تھا، سکری بکھریا کے نام سے مشہور دو گاؤں میں سے موخر الذکر میں پیدا ہوئے، فراغت کے بعد مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں درس و تدریس کے فرائض تقریباً ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۲ء تک انجام دیا اور مسجد مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور ۱۹۴۱ء میں اپنی نگرانی میں بنوائی، نوعمری ہی میں کسی وقت اجل آپہنچا۔

(۳۹)

مولانا عبدالرحمٰن بھینسا گاہن (نیپال)

(بروایت مولانا عبدالغفار مڑلاوی)

آپ نیپال میں لمبنی کے پاس بھینسا گاہن نامی گاؤں کے رہنے والے تھے، مولانا نے ایک مرتبہ مجھ (مولانا عبدالغفار) سے محمد نگر کے جلسہ میں بیان فرمایا کہ میں نے عربی زبان بچپن میں نہیں سیکھی تھی، بڑا ہوگیا تو ایک برہمن کے یہاں ہلواہی (کھیتی جوتنے وغیرہ کا کام) کرنے لگا ساتھ ہی کچھ دلچسپی ہوئی تو ہندی زبان بھی سیکھتا رہا، اتفاقاً زمیندار برہمن مجھ پر غصہ ہوا اور سخت سست بکنے لگا، مجھے بڑی کوفت ہوئی اور میں اسی دم کاروبار چھوڑ کر دہلی روانہ ہوگیا، وہاں پہنچ کر دارالہدی کشن گنج میں داخلہ لیا اور فراغت حاصل کی۔

مولانا بڑے حاضر جواب اور اچھے مناظر تھے، آپ کے علاقہ مرچوار کے ٹھاکر ہندو آپ سے عاجز تھے، آپ ہندو مذہب سے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے اور اسی روشنی میں مختلف جملے ہندوؤں کے سوالات کے جواب میں کس دیا کرتے تھے، جس پر وہ شرمندہ ہوجاتے، آپ اپنی دعوت وتبلیغ کا دائرہ اپنے علاقہ مرچوار (لمبنی کا مشرقی علاقہ) ہی کو بنایا تھا، آپ کی کوششوں سے علاقہ میں کافی اصلاح ہوئی، بوقت انتقال عمر ستر اسی کے درمیان رہی ہوگی۔

(۴۰)

مولانا عبدالرحمٰن ڈوکم (بستی)

(بروایت مولانا عبیداللہ کشمیری)

نام ابونعمان عبدالرحمٰن بن محمد یعقوب، وطن محمد نگر ڈوکم، بانسی کے قریب ایک

گاؤں، آپ کا خاندان بڑا خوشحال تھا اور اس طرح شرک و بدعات میں سب سے آگے شرک و بدعت کا یہ عالم تھا کہ پورے علاقہ کا سب سے بڑا تعزیہ آپ کے یہاں بنتا تھا اور پورے علاقہ کے لوگ آپ کے والد کا آلھا سننے ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے، اسی جہالت کے گڑھ میں ایک معمولی پڑھے لکھے آدمی میاں عباد اللہ تھے جو حنفی المسلک ہونے کے باوجود شرک اور تعزیہ پرستی سے کنارہ کش رہتے تھے، انھیں سے آپ نے ابتدائی تعلیم پائی اور ان کی تعلیم ہی کے اثر سے ایک بار گھر کا تعزیہ بھی توڑ تاڑ کر رکھ دیا۔

میاں عباد اللہ کے پیر چاند شاہ کی دعائیں لے کر گھر سے فرار ہو گئے، راستے میں ایک خط لکھ دیا کہ اب میں گھر سے جدا ہوں اور نہ جانے کب تک جدا رہوں، اس لیے گھر کی زمینداری میں میرا کوئی حصہ نہیں، جو ماں باپ کی خدمت کرے گا وہ زمین لے لے گا، آپ باہر چلے گئے اور نہ جانے کہاں کہاں پڑھ کر آخر میں میاں صاحب سے علم حاصل کیا، امام خاں نوشہروی کے بیان کے مطابق آپ کے اساتذۂ حدیث میں مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، شیخ حسین عرب بھی تھے، بہر حال آپ ۱۲؍سال تک مختلف مقامات پر علم حاصل کرتے رہے، جب میاں صاحب کے یہاں سے فراغت پائی تو گھر دوسرا خط لکھا کہ گھر آنا چاہتا ہوں کرایہ بھیج دیجیے، پھر گھر آئے اور گھر کے تمام افراد سے توبہ کرایا، تعزیہ، علم مزامیر کا گھر سے صفایا کرایا، حسین کے تعزیہ کا چبوترہ کھودا گیا، اس طرح اس خاندان میں توحید وسنت کی پہلی روشنی داخل ہوئی، فراغت کے بعد آپ نے کچھ دنوں تک میاں صاحب ہی کے مدرسے میں معقولات فقہ اور حدیث کا درس خود میاں صاحب کی نگرانی میں دیا، پھر طب پڑھنے کے لیے لکھنؤ کا ارادہ کیا، لکھنؤ اسٹیشن پر حافظ عبداللہ غازی پوری سے ملاقات ہوگئی انھوں نے طب پڑھنے سے روکا اور کہا دین کا علم یا تو بے کار ہو جائے گا یا کم از کم وہ کام اس سے نہیں لیا جا سکے گا، جو لیا جانا چاہیے، اس لیے گھر جاؤ اور وہاں لوگوں کو شرک و بدعت سے نکالو،

آپ کا ارادہ بدل گیا اور لکھنؤ اسٹیشن ہی سے گھر واپس آ گئے اور بستی کے شمالی حصہ میں مولانا عباد اللہ کے قائم کردہ مدرسہ دارالہدیٰ میں تعلیم دینی شروع کی، کچھ دنوں تک یہاں رہے، لیکن آب وہوا کے نامناسب ہونے کی وجہ سے دارالہدیٰ کو چھوڑ کر مولانا نعمت اللہ کے قائم کردہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے، اس اثنا میں آپ کہیں بھی تبلیغ دین کے فریضہ سے غافل نہیں رہے، جھنڈا نگر میں مدرسی کے زمانے میں پاس ہی کے ایک گاؤں سیورادودھونیاں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، چنانچہ اس مرکزی گاؤں میں کم از کم سو عورتیں نماز تہجد مداومت کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور کئی کئی سو قربانی ہوتی تھی، جب کہ ایک جانور کا ذبح کرنا (جیو ہتھیا) سمجھا جاتا تھا، آپ کی کوششوں سے جو مرکزیت دودھونیاں کو حاصل ہوگئی تھی اس کی وجہ سے دور دور سے مسلم اقلیت گاؤں والے یہاں قربانی وغیرہ رسوم ادا کرنے آتے تھے، آپ کشتی اور پہلوانی کا بھی شوق رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ (ڈھبروا) کے تھانے دار نے جب میلادخوانی کے لیے آپ کو بلایا تو ان کے سامنے اکڑ گئے، داروغہ گاؤں پر آیا اس وقت بھی اس کی غیر شرعی تعظیم نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ تم کیا کوتوال صاحب بھی آئیں تو میں ہرگز نہ کھڑا ہوں گا، بات بڑھتی دیکھ کر آپ کے لٹھ باز شاگردوں نے داروغہ کو ہالے میں لے لیا تھا، داروغہ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ آپ نے کہا آپ کے ساتھ یہ بارہ آدمی کون ہیں؟ داروغہ نے کہا یہ ہماری پولیس ہے، آپ نے کہا یہ ہماری پولیس ہے اور صرف پولیس ہی نہیں بلکہ فوج ہے اور وہ بھی اللہ کی فوج! داروغہ نے دھمکی دی اور گاؤں کے چوکیدار کے پاس پہنچا، چوکیدار نے کہا داروغہ صاحب آج آپ کی کم خفت ہوئی ہے، اگر آپ ان کے پیچھے پڑیں گے تو ہر مرتبہ اور زیادہ سبکی ہوگی، داروغہ چلا گیا سوچ بچار کر دوبارہ معافی مانگتے ہوئے میلاد میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا، آپ گئے لیکن عام مولویوں کی طرح میلادخوانی کے بجائے توحید کے موضوع پر تقریر ہوئی داروغہ بہت متاثر ہوا اور اس تقریر کو اس نے حاصلِ زندگی قرار دیا، شرک سے توبہ کر کے جاہلانہ

میلاد سے ہمیشہ دور رہنے کا عہد کیا، اس دوران ضلع گونڈہ کے مشہور گاؤں شنکر نگر میں بریلویت جڑ پکڑ رہی تھی آپ گئے اور مناظرہ کا چیلنج کیا، بریلویوں نے چیلنج تو قبول کرلیا، لیکن مناظرہ سے پہلے ہی فرار ہوگئے، اب پورے شنکر نگر اور بھیکم پور میں بریلویت کا خاتمہ ہوگیا اور آپ کے ہاتھ پر سب لوگوں نے بیعت کرلی، یہ گاؤں آج گونڈہ میں اہل حدیثوں کا اہم اور مرکزی مقام ہے، مولانا ابو یحییٰ نوشہروی کے کہنے کے مطابق مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی ۱۹۳۰ء سے رائے بریلی میں مقیم ہوئے اور اس کے بعد ہی مدرسہ محمدیہ کی بنیاد ڈالی، لیکن مولانا کے صاحبزادے حکیم عبیداللہ کا کہنا ہے کہ سید سردار حسین صاحب کو رائے بریلی میں ایک عالم کی ضرورت تھی انھوں نے میاں صاحب سے عرض کیا تو میاں صاحب نے اپنی ترکش کی آخری تیر مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی کے پاس ایک خط دے کر جھنڈا نگر بھیج دیا، اس طرح آپ رائے بریلی گئے۔ (ترجمان ۱/۱/۸۴ء)

گویا رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۹۰۲ء سے کچھ پہلے کا یہ واقعہ ہوگا کیوں کہ انھیں تاریخوں میں خط لکھنے والے کا انتقال ہوگیا ہے، اس لیے مولانا عبدالرحمٰن کی رائے بریلی آمد کی جو تاریخ امام خاں نے دی ہے وہی صحیح معلوم ہوتی ہے، بہرحال آپ رائے بریلی گئے اور مدرسہ محمدیہ کی بنیاد ڈالی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، ساتھ ہی شرک وبدعت کے خلاف زبان وقوتِ بازو سے جہاد کرتے رہے، اس سلسلے میں آپ نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، رائے بریلی میں آپ کی وجہ سے کافی حد تک شرک وبدعت کا زور ٹوٹا، لیکن افسوس کہ آپ کا لگایا ہوا درخت نظر نہیں آتا، آپ کے اوپر بہت سے مقدمات وغیرہ بھی چلے لیکن اللہ کے فضل سے آپ کو کامیابی حاصل ہوئی، آپ ۱۹۴۸ء تک تو زندہ تھے، آپ کے شاگردوں میں چند یہ ہیں: مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا اقبال حسین ہاشمی، مولانا عبدالرحمٰن بجواوی مرحوم، مولانا محمد یوسف مرحوم سیورا، حکیم مقبول احمد، مولانا عبیداللہ کشمیری، سید ابوالخیر رائے بریلوی وغیرہ۔

(۴۱)

مولانا عبدالرحیم رحمانی حسن پور (بستی)

(خودنوشت)

ابتدائی تعلیم (قرآن مجید، کریما، خالق باری، گلزار دبستاں، قادر نامہ، آمد نامہ) مکان پر ہوئی، برسولی کے میاں عبدالشکور صاحب جوٹانڈہ فیض آباد کے تعلیم یافتہ تھے، دوتین سال تک ہماری دالان میں پڑھاتے رہے، اس وقت میری عمر ۸-۹ سال کی تھی، اس کے بعد دارالہدیٰ یوسف پور میں فارسی کی بعض کتابیں (گلستاں بوستاں وغیرہ اور میزان منشعب) پڑھیں، مولانا عبدالرزاق صاحب سمراوی کے چلے جانے کے بعد جب اکرہرا میں یتیم خانہ کھلا، تو مولوی عبدالمجید یوسف پوری کے ہمراہ اکرہرا چلا گیا اور تقریباً چھ، سات ماہ وقت گزار کر جب کہ تعلیم کا بندوبست نہ رہا، گھر چلا آیا اور بھٹ پرا میں جس کو قائم ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا تھا داخلہ لیا اور مدرس آتے جاتے رہے، اس اجڑے دیار میں کون ٹک سکتا تھا، مولانا محمد حسین صاحب ترکلہا ترائی نیپال بمشکل ایک سال رہے، جب وہ گھر جانے لگے تو راقم الحروف اور مولوی عبدالمجید مولانا کے ساتھ ہوگئے اور مولانا کے مکان پر قیام کر کے چھ سات ماہ ابتدائی کتابیں پڑھیں، لیکن مولانا موصوف اس علاقہ میں واحد شخصیت کے مالک تھے، دعوت، تواضع میں دور دور تک جاتے جس میں زیادہ وقت گزرتا، بالآخر مجبور ہو کر وہاں سے رجعت قہقری کی اور گھر لوٹ آیا، ان بحرانی حالات میں پڑوس کے مدرسوں میں کوئی خاص بندوبست تعلیم کا نہ تھا، کبھی یوسف پور، کبھی بھٹ پرا وقت گزرتا گیا حتی کہ مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب بونڈیہار والے تشریف لائے تو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں وہ بھی جب رخصت ہوئے تو میں اور مولوی جلال الدین سکرولی والے مولانا کے ہمراہ بونڈیہار چلے گئے، بونڈھار میں مولانا حکیم محمد سلیمان صاحب

مسندِ درس پر تشریف فرما تھے، بڑی شفقت ومحبت سے ہم لوگوں کو کافیہ، فصول اکبری اور منطق کی کتابیں پڑھائیں، شعبان میں تعطیل ہوئی تو ہم لوگ گھر چلے آئے اور اتنے لمبے سفر کی صعوبت برداشت نہ ہونے کی وجہ سے پھر بونڈیہار نہ جاسکے، اس وقت سفر طے کرنے کے لیے کوئی سرکاری انتظام نہ تھا، میں ادھر ادھر خاک چھانتا رہا، مگر میرے ساتھی ہمت کر کے مئو مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے، جب ان کو دوبارہ جانا ہوا تو مجھے بھی ساتھ لے گئے اس وقت مدرسہ عالیہ میں مولانا عبدالرحمٰن ابوالنعمان صاحب ڈومن پورہ والے مسند درس پر رونق افروز تھے، بڑی محنت اور تاکید درتاکید کے ساتھ ہم کو شرف تلمذ بخشا، مولانا کی تندہی اور مستعدی سے ہم نے علم کی قدر پہچانی اور ہمارے دماغ روشن ہوئے، وہاں ہمارے ہم سبق مولوی محمد عمر نورانی تیل والے، محمد یوسف جمال پوری رہے، پھر ہم دونوں آدمی (یعنی صاحب ترجمہ اور مولوی جلال الدین سکرولی والے) دہلی چلے گئے اور مدرسہ فتح پوری میں داخلہ لیا، وہاں نورالأنوار، شرح وقایہ اور قطبی وغیرہ پڑھیں، ایک سال کی مدت وہاں گزر گئی اور چوں کہ وہاں ایک ہی وقت تعلیم کا سلسلہ تھا، اس لیے ظہر کے بعد میاں صاحب کے مدرسہ پھاٹک حبش خاں میں مولانا شرف الدین سے جلالین اور مولانا محمد یونس سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھی۔

وہاں سے گھر واپس آئے تو دلی جانے کا اتفاق نہ ہوا، کتابوں کا کچھ حصہ یوسف پور میں پھر کچھ حصہ انتری بازار مدرسہ بحرالعلوم میں پڑھا، وہاں سے راہ فرار اختیار کرنی پڑی تو مدرسہ سراج العلوم پہنچا، مولانا عبدالرحمٰن بجواوی سے جو بڑے محنتی اور شفیق ومہربان تھے، سنن کی کتابیں مکمل کرلیں، مولانا کا دماغ اتنا صحیح تھا کہ وقت بے وقت نہ جانتے تھے مجھے اور ساتھی حبیب اللہ طیب پوری کو پڑھاتے رہے، ان شہور وسنین کے گزر جانے کے بعد مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی، رحمانیہ کا نظم قیام وطعام اور تعلیمی بندوبست بیان سے باہر ہے، یہ زمانہ ۲۹۔۱۹۲۸ء کا ہے۔

یکم جون ۱۹۲۹ء کو لوگوں نے مجبور کر کے مجھے بھٹ پرا جیسی سنگلاخ زمین اور جاہل علاقہ میں مامور کیا، جو کچھ ۱۹۴۰ء تک ہوا میں نے کیا کتنے لوگوں نے پڑھا، کتنے موجود ہیں اور کتنے مرحوم ہو چکے، وہاں کے حالات قلم بند کرنے کے لیے کافی وقت چاہیے، مولوی خلیل الرحمٰن، مولوی امان اللہ، ماسٹر محمد خلیل میرے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، کونڈرا میں جماعت کا مدرسہ قائم کیا، یہاں ایک بڑا جلسہ کیا جس میں حافظ حمید اللہ نے مولوی عبداللہ لکھنوی اور مولانا محمد احمد مدنی کو کانفرنس کے خرچ پر بھیجا۔(یہ غالباً مولانا احمد مہاجر مدنی ہوں گے)

مدرسہ کی جڑ مضبوط ہوئی اور اس کی برکت سے کونڈرا خاص کے باشندے بھی خوشحال ہوئے ۱۱رسال کونڈرا میں گزرا، جب میری مالی حالت بہت کمزور ہوگئی تو آگرہ کٹرہ پھولیل میں مدرسہ اہل حدیث میں تقریبا ایک سال رہا یہ زمانہ کانگریس اور مسلم لیگ کے الیکشن کا تھا۔(۱۹۴۶ء)

اس کے بعد دارالہدی یوسف پور میں آٹھ سال اور ششہنیاں میں پانچ سال رہا، نیز ایک سال مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں رہا،۱۹۵۲ء میں جب ہوش ربا قحط پڑا تو خاکسار کیندرا پاڑہ ضلع کھٹک اڑیسہ میں مولوی حشم اللہ کے ایماء پر ایک سال رہا۔

میں نے ایک مرتبہ ایک میٹنگ طلب کی تھی جس میں علماء مٹکا شریک ہوئے تھے اس موقع پر ایک انجمن بنام اصلاح المسلمین قائم کی اور تبلیغی سلسلہ جاری کیا (جس کے ارکان مولانا عبدالمجید یوسف پوری، مولانا جلال الدین سکرولوی اور مولانا عبدالصمد ٹھکراپوری وغیرہ تھے) پورے مٹکا میں متعدد جلسے ہوئے جب اس کی شہرت بڑھی اور تبلیغ کی ضرورت بھی سمجھ میں آگئی تو ترائی نیپال کے علماء بھی شریک ہوئے، مولانا عبدالرحمٰن علاقہ مرچوار موضع بھینسا گاہن مولوی عبدالستار پنجابی (پڑریا) مولوی وارث علی (مہسرٹ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ترائی علاقہ میں آپ حضرات کے ایماء پر بمقام پڑریا عظیم الشان اجلاس ہوا، بھینسا گاہن میں اجلاس عام ہوا، جس میں ہندو روساء نے کافی مدد دی، لمبنی کے قریب تنہوا میں اجلاس عام ہوا، ''بکلی چھپیا'' میں بھی اجلاس ہوا، ترائی علاقہ میں جتنے جلسے ہوئے سب میں عام پبلک کو کھلانے کا انتظام رہا، بحمداللہ بہت کامیاب جلسے ہوئے مگر مٹکا علاقہ میں کسی کے کھانے کا انتظام نہ تھا، وقت مقررہ پر ہمارے علماء پہنچتے، حاضرین مجلس کو قرآن وحدیث کا وعظ سناتے جلسہ ختم ہو جاتا تو پھر اپنے اپنے وطن کی طرف رواں دواں، نہ لینا نہ دینا، عرصہ تک یہ سلسلہ رہا، ادھر ضلعی جمعیت اہل حدیث[1] کی بنیاد پڑی، مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری صدر مقرر ہوئے کوئی سیکریٹری اور کوئی عام ممبر اس کے بھی بڑے بڑے اجلاس ہوئے، قاری عبدالحق صاحب فائنانشل سکریٹری تھے اب تو بڑھاپا ہے، بیماری چار سال سے ہے، صحت وعدم صحت کا دور دورہ ہے عمر تقریباً ۷۱/سال ہے۔ (آپ کی وفات ۳/مارچ ۱۹۸۰ء کو ہوئی)

(۴۲)

مولانا عبدالرزاق ٹکریا (بستی)

مولانا نوشہروی فرماتے ہیں، ''مولد موضع ٹکریا والد کا نام درباری بن بدل، ولادت ۱۳۳۰ھ ابتدائی تعلیم بونڈیہار میں مولانا محمد یٰسین صاحب سے حاصل کی، پھر دہلی میں مولانا عبیداللہ اٹاوی سے استفادہ کیا، چھٹی تک دارالحدیث رحمانیہ میں پڑھا، پھر مدرسہ سعیدیہ پل بنگش دہلی میں مولانا ابوسعید شرف الدین سے کتب فقہ وحدیث پڑھیں، بعدازیں دہلی ہی کے مدرسہ فتح پوری میں اصول اور معقولات کی تکمیل کی، ۱۳۵۵ء میں فراغت کے بعد دو سال اپنے وطن میں تبلیغ کرتے رہے، پھر مدرسہ سعیدیہ میں پڑھاتے رہے، کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اجل آپہنچا اور جوانی ہی میں وفات پائی۔'' (ماخوذ از تراجم علماء اہل حدیث ص:۱۷۵)

---

(۱) یہ قدیم ضلع بستی کے علاقہ نوگڑھ کی بات چل رہی ہے۔ (وصی اللہ مدنی)

(۴۳)

مولانا عبدالرزاق سمرا (بستی)

مولانا عبدالرزاق کا خاندان پہلے غیر مسلم ٹھاکر تھا، بعد میں مسلمان ہوا، آپ سمرا نامی گاؤں کے رہنے والے تھے، آپ کی ولادت تقریباً ۱۸۷۵ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم میاں صاحب علی صاحب سے ہوئی جو برہی عدیل پور ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے، اس کے بعد ابتدائی درجات کی تعلیم مولانا اللہ بخش بسکو ہری سے بسکو ہر میں حاصل کی، بعدازیں مدرسہ مظہرالعلوم اوسان کوئیاں میں مولانا محمد دین محدث سے چار سال کسب فیض کیا، پھر کانپور محلّہ ٹپکاپور کے حنفی مدرسہ میں داخلہ لیا اور مولوی احمد حسن سے پڑھتے رہے، سند فراغت نہیں حاصل کر سکے، مگر تعلیم مکمل کر لی تھی، ممکن ہے کہ آپ کے اہل حدیث ہونے کے ناطے سند روک لی گئی ہو۔

بہر حال وطن واپس ہوئے تو بستی کے اندر تعلیم و تبلیغ کے جذبات سے سرشار تھے چنانچہ بیسویں صدی کے اوائل میں اکرہرا آئے اور تدریس کا کام کیا، کچھ دنوں بعد مدرسہ دارالہدی یوسف پور کی تدریسی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ یہ زمانہ ۱۹۱۸ء کے کچھ آگے کچھ پیچھے کا ہے، چنانچہ ۱۹۱۸ء میں مدرسہ دارالہدیٰ کے اندر ایک بڑا اجلاس ہوا تھا جس میں مولانا سیف بنارسی، مولانا شمس فیض آبادی اور مولانا عبدالتواب غزنوی کے علاوہ اور بہت سے علماء تشریف لائے تھے، اس اجلاس کی رپورٹ (شائع شدہ اہل حدیث امرتسر ۲۶/۷/۱۹۱۸ء میں مولانا فیض آبادی نے آپ کی تدریسی اور انتظامی صلاحیت کو سراہا ہے، اس رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فیض آبادی کو نصاب تعلیم درست کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ بعد میں کیا ہوا اس کی خبر نہیں، بہر حال مولانا کچھ دنوں تک یوسف پور کے اس قدیم مدرسہ میں پڑھاتے رہے، پھر اکرہرا

تشریف لے گئے اور وہاں ایک عربی مدرسہ قائم کیا اور تعلیم شروع کی اس میں بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام تھا، مگر یہ مدرسہ نہیں چل سکا اور صرف مکتب باقی رہا (پھر ۱۹۵۴ء میں مولانا عبدالقیوم رحمانی (دودھونیاں بزرگ) کے ہاتھوں اہل اکرہرا کے تعاون سے اس مکتب کی تجدید ایک عربی درس گاہ کی شکل میں ہوئی) اس کے بعد برڈپور کے قریب گورابازار میں ایک مدرسہ اسلامیہ ۱۹۲۲ء میں قائم کیا، یہ بڑے تزک واحتشام سے چندسالوں تک چلتا رہا اور مکتب کی معیاری تعلیم ہوتی رہی، جس میں مولانا عبدالجلیل رحمانی نے بھی ابتدائی تعلیم پائی، لیکن حالات نے اس کو بند کرنے پر مجبور کردیا، گورابازار کے بعد آپ نے اپنے گاؤں سمرا میں ہی ایک عربی درس گاہ قائم کی اس نے ایک عرصہ تک دین کی خدمت کی اور پھر ختم ہوگئی، موجودہ مدرسہ شمس العلوم اس کے علاوہ ہے، آپ نے کچھ دنوں تک ضلع گونڈہ کے دیالی پور گاؤں میں بھی پڑھایا اور مدرسہ قائم کیا، آپ کا اسی وقت کا ایک شعر ہے ؎

سنو اک بات میں کہتا ہوں پیارے

دیالی پور رہر ہٹہ کے کنارے

آخری ایام میں کچھ دنوں مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں پڑھایا اس عرصہ میں بال بچوں کے ساتھ جھنڈانگر میں رہتے تھے، اس کے بعد "ستنی" نام گاؤں میں کچھ آراضی ہوگئی تھی جس کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے، مرض الموت میں وہاں سے سمرا لائے گئے اور وہی مدفن بنا۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آپ زبردست عالم اور بے مثال مقرر تھے، دعوت وتبلیغ اوراصلاح عوام کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، چنانچہ گونڈہ، بستی، گورکھپور اور ان اضلاع سے ملتا ہوا نیپال کا علاقہ آپ کا فیض یافتہ ہے جس علاقے میں جاکر پوچھیے آپ کے فیض یافتگان ملتے ہیں اور آپ کی تبلیغ ودعوت کا ذکر خیر کرتے ہیں، آپ ان

اضلاع پر اچھا اثر رکھتے تھے۔

آپ بہترین مدرس اور اچھے مصلح و مبلغ ہونے کے ساتھ اچھے صحافی اور اہل قلم بھی تھے، آپ نے معاشرہ کی اصلاح کی طرف جہاں بچوں کو تعلیم و تدریس کے ذریعہ اور عوام کو وعظ و تقریر کے ذریعہ مائل کرنے کی کوشش کی، وہیں خواص کو اپنی تحریروں اور مناظروں کے مسکت جوابات سے ایک سلفی العقیدہ اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کے لیے آواز دی۔

ضلع بستی کی تاریخ میں آپ کو اس سلسلے میں اولیت کا شرف حاصل ہے کہ آپ نے سب سے پہلے ایک پرچہ نکالا اس کا نام ''ہاتف'' تھا، غالباً ماہانہ پرچہ تھا، افسوس کی حالات کی ناسازگاری کی بناء پر چار پانچ شماروں سے زیادہ نہیں نکل سکا اس کے سرورق پر لکھا ہوا تھا ع

ٹک کھول ذرا آنکھیں ہاتف کی ندا آئی

مولانا کی طرف منسوب تمام اشعار لوگوں کی یادداشت سے ماخوذ ہیں، ممکن ہے کوئی شعر مولانا کا نہ ہو اور لاعلمی میں آپ کی طرف منسوب ہو جائے، اس طرح اس کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اشعار بعینہ یاد رہے یا یاد رکھنے والوں کی طرف سے ادائیگی میں زیادتی اور تبدیلی واقع ہوگئی، ''ہاتف'' کے ایڈیٹر مولانا تھے اور منیجر حاجی احمد چراغی اکرہروی، یہ پرچہ دینی، مسلکی اور اصلاحی نوعیت کا تھا، اس کی فائل موجود تھی مگر امتدادِ زمانہ کے وجہ سے ضائع ہوگئی، مجھے اس کا کوئی شمارہ دستیاب نہیں ہو سکا، جس سے اس کے اجراء کی تاریخ متعین نہ کی جا سکی۔

مولانا زبردست مناظر بھی تھے، خانکوٹ نامی گاؤں میں آپ نے بریلویوں سے جو مناظرہ کیا وہ مشہور ہے، آپ نے اس کی روداد بھی شائع کی تھی، مگر اب نایاب ہے، اپنے استاد مولانا احمد حسن کے لڑکے مولوی مشتاق بریلوی سے اکرہرا میں مناظرہ کیا اور

ان کے فرار ہونے پر اکر ہرا سے نوگڑھ تک گھوڑے سے پیچھا کیا ان دونوں جگہوں کی درمیانی مسافت ۲۵ رمیل سے کم نہیں ہوگی۔

نیپال کے ایک گاؤں میں ایک حنفی پیر آتا تھا، وہ بڑا چرب زبان تھا لیکن جب آپ سے اس نے مناظرہ کیا تو ایسا زچ ہوا کہ خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، وہاں کے لوگ آپ کے مناظرہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ سب اہل حدیث ہو گئے۔۔

آپ کے ایک معاصر کا تأثر ہے کہ ''مناظرہ اور حاضر جوابی میں آپ کا کوئی مثیل نہیں تھا، مقابل کو ساکت اور گونگا کر دیتے تھے،آپ کے مناظرات میں سے یہ چند ہمیں معلوم ہو سکے جن سے آپ کی مناظرانہ حیثیت اور مقام کی تعیین کچھ دشوار نہیں، علاقائی علماء میں آپ ہمیں سب سے زیادہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور آپ کا حلقۂ تبلیغ و تدریس کافی وسیع نظر آتا ہے۔

آپ نے صحافت کے علاوہ تصنیف و تالیف کا بھی کام کیا ہے، چنانچہ (۱) ''ٹھاکر عبدالرزاق'' نامی ایک کتاب بھی لکھی تھی، جو خاندانی حالات اور اپنی سوانح پر مشتمل تھی، یہ آپ کے زمانے میں شائع نہیں ہوسکی، بعد میں اس کا مسودہ ہی ضائع ہوگیا۔(۲) ایک کتاب بڑھنی بازار میں مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی اور مولوی عتیق الرحمٰن بریلوی اکر ہروی کے درمیان ہوئے مناظرہ کی روداد کے طور پر مرتب کی گئی، مگر شائع نہیں ہوسکی اور اب اس کا پتہ بھی نہیں ہے(۳) ایک کتاب ''روداد مناظرہ خانکوٹ'' شائع کی۔

آپ شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ایک موٹی کاپی آپ کے اشعار سے پُر تھی، لیکن ورثہ نے ضائع کر دی۔

چند اشعار جو بڑے بوڑھوں کو ''ہاتف'' سے زبانی یاد ہیں بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔

سنو ایک بات میں کہتا ہوں پیارے
دیالی پور رہر ہٹہ کے کنارے

آئے ہم اسلام میں توحید رحماں[1] دیکھ کر
کفر سے نفرت ہوئی اک دم سے قرآں دیکھ کر
جب فصاحت اور بلاغت کا عرب میں زور تھا
بول اٹھا ہے کلام اللہ سحباں دیکھ کر
اغنیاء اس دور کے کنجوس مکھی چوس ہیں
جا چھپے چولہے کے اندر روئے مہماں دیکھ کر
حاسدو نا اہل کیا سمجھیں گے میری شاعری
ہم کہا کرتے ہیں شعروں کو سخنداں دیکھ کر

اس سے آپ کی شاعری پر جتنی روشنی پڑتی ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کے پرچے اور اشعار کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ ایک مذہبی پیشوا اور عالم دین ہونے کے علاوہ اپنے علاقہ میں مسلمانوں کے سیاسی لیڈر بھی تھے، چنانچہ آپ سیاست میں پکے کانگریسی تھے، آزادی کی جدوجہد میں دو مرتبہ جیل بھی گئے، ایک مرتبہ تو عجیب اتفاق ہوا کہ آپ سمرا سے گرفتار کر کے اکرہرا لائے گئے اور ساتھیوں کے ہمراہ جیل بھیج دیے گئے، اس وقت آپ کی ایک لڑکی کی شادی کی تاریخ مقرر تھی، آپ کے ایک نامور ساتھی رام کمار شاستری نے سنا تو اکرہرا آئے اور آپ کی صاحبزادی کی شادی کا انتظام کیا، آپ نے خلافت کمیٹی میں بھی کام کیا ہے۔

آپ کی دلیرانہ اصلاحی کوششوں میں سے ایک یہ واقعہ ہے کہ پاٹن دیوی کا ایک بڑا میلہ تلشی پور میں ہر سال لگتا ہے اور مہینہ بھر رہتا ہے، وہاں پہلے جمعہ کی نماز جاری تھی لیکن ریاست بلرام پور کے ایک تحصیل دار نے آ کر بند کروا دیا، آپ کو یہ معلوم ہوا تو اکرہرا آئے اور تقریر کر کے پچاس لٹھ بازوں کو ساتھ لے کر میلے میں پہنچے اور نماز جمعہ جاری

(۱) اصل شعر میں یزداں ہے جسے میں نے رحماں کر دیا ہے۔

کرائی، بعد میں پھر کسی کو روکنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

اکرہرا آپ کا خاص مستقر تھا، یہاں آپ کی ایک صاحبزادی بھی بیاہی تھیں، اسی وجہ سے آپ کا یہاں کے لوگوں سے گہرا تعلق اور یہاں والوں پر آپ کا اثر تھا، آپ ایک بڑے زمیندار تھے، گھر پر کاشت ہوتی تھی اور آمدنی کی طرف سے تقریباً استغناء تھا، جس کی وجہ سے آپ کو خدمت دین کا خوب موقع ملا، آپ کی خوش پوشی کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں، دیکھنے والوں کا تأثر ہے کہ آپ بڑے خوش پوش تھے، پورے علاقہ میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس قدر صاف ستھرے کپڑے استعمال کرتا، آپ کا بستر اتنا صاف ستھرا ہوتا تھا کہ کوئی بچہ اس پر بیٹھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

آپ بڑے زاہد اور متقی تھے، کتنوں نے آپ کے ہاتھ پر دینداری کی بیعت کی اور پرانی روش سے توبہ کیا، بڑے خوش اخلاق، ملنسار، حلیم الطبع اور سخی تھے، سخاوت اور داد و دہش کی یہ خوبیاں آپ نے اپنے گھر کے دوسرے افراد میں بھی پیدا کردی تھیں، چنانچہ آپ کے حقیقی بھائی عبدالستار صاحب کا واقعہ ہے کہ نیا جوڑا پہن کر بیٹھے ہوئے تھے، ایک سائل نے سوال کردیا، یہ باوجود اپنی غربت کے کُرتا نکال کر سائل کو دے دیے اور خود ننگے ہو رہے، بہرحال مولانا عبدالرزاق کو انتقال سے پہلے دارالعلوم ششہنیاں کے قیام (۱۹۴۴ء) کے وقت ہی مدرسہ کی نگہداشت اور مشوروں کے سلسلے میں مشیر کار مقرر کیا گیا تھا، چنانچہ مولانا عبدالجلیل رحمانی نے مدرسہ کے قیام کے پہلے سال مدرسے سے متعلق ایک پمفلٹ شائع کیا تھا، جس میں صفحہ آٹھ پر لکھا ہے (مشیران کار) مولانا عبدالرزاق سمراوی، مولانا عبدالسلام مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی، مولوی ابوشحمہ خاں فاضل رحمانیہ، مولوی محمد امین، اسی طرح مدرسوں کی خدمت آپ آخر وقت تک کرتے رہے، سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اپنا حق ادا کردیا اور آنے والوں کے لیے ایک مثال قائم کردی، آپ بعض لوگوں کی طرح سانڈ کی حلت کے قائل تھے، آپ کا انتقال سمرا میں ۱۹۴۵ء میں ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔

(۴۴)

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگر (نیپال)

عبدالرؤف نام، والد کا نام حاجی نعمت اللہ، نسب یوں ہے: نعمت اللہ بن سردار خاں بن موتی خاں بن بختیار خاں، آپ نیپال ضلع کپل وستوتولہوا کے ایک معروف گاؤں کدر بٹوا کے رہنے والے ہیں، آپ کا آبائی وطن گوالیار گرانٹ ضلع گونڈہ یو پی میں ایک گاؤں دتلو پور نامی تھا، آپ کے دادا یہیں کے رہنے والے تھے، یہاں آپ کا اچھا خاصا فارم تھا، آپ کے والد نے یہاں سے بچپن ہی میں ہجرت کی اور کدر بٹوا میں جا کر اقامت گزیں ہوئے اور بہت کافی زمین اپنی تحویل میں کرلی، اسی کدر بٹوا میں آپ ۱۱ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے، چند سال بعد حاجی نعمت اللہ صاحب نے آپ کو جامعہ رحمانیہ[۱] بنارس بھیج دیا، وہاں دو سال تھے ۱۳۴۸ھ میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا، جس کے غم میں باہر نہ جا سکے اور سراج العلوم جھنڈانگر میں ہی مولانا عبدالغفور بسکوہری مدظلہ[۲]، ملا فاضل سے تعلیم پائی، دوسرے سال مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ گئے اور دو سال رہ کر سند فراغت حاصل کی اس طرح آپ اپنی روایت کے مطابق ۱۳۵۰ھ میں فارغ التحصیل ہوگئے، ایک سال یا اس سے کچھ زائد آپ دارالحدیث میں مدرس رہے، شعبان ۱۳۵۲ھ کے محدث میں آپ کے بارے میں ہے کہ آپ ان تین طلبہ رحمانیہ میں سے ہیں جو جمعیۃ تبلیغ کلکتہ کے اجلاس میں برجستہ تقریر کرنے کے لیے گئے تھے اور یہ کانفرنس ۱۳۵۱ھ میں ہوئی تھی۔

بہر حال تدریس رحمانیہ کے بعد تین سال تک جامعہ رحمانیہ بنارس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر گھر آ گئے اور دو تین سال تک بے کار بیٹھے

---

(۱) اس مدرسہ کا نام اس وقت مصباح الہدیٰ تھا، ۱۳۱۵ھ میں اس کا قیام عمل میں آیا تھا، مؤسس حافظ عبدالرحمٰن بنارسی تھے، انھیں کے نام پر بعد میں اس مدرسہ کا نام جامعہ رحمانیہ رکھ دیا گیا۔

(۲) اور اب مرحوم دیکھیے اسی کتاب میں ان کا ترجمہ۔

رہے، اس دوران آپ کو یہ فکر تھی کہ ہمیں کون سا راستہ آگے کے لیے متعین کرنا ہے آخر کار آپ نے والد کا احترام کرتے ہوئے سراج العلوم ہی میں تدریس شروع کردی، کئی سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا، لیکن جب حاجی صاحب ۱۹۴۶ء میں انتقال فرما گئے، تو آپ کو مدرسہ کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری سنبھالنی پڑی، آپ نے سنبھالا اور خوب سنبھالا، سراج العلوم یوں تو مالی اعتبار سے خود کفیل ہی تھا، مولانا جیسا مخلص اور محنتی آدمی اسے مل گیا جس نے ملک اور بیرون ملک سے اس کے لیے تعاون حاصل کیا، ۱۹۴۶ء سے لے کر اب ۱۹۸۳ء تک برابر اس کی تعمیر وترقی ہوتی رہی، جس کی وجہ سے اب وہ ایک قلعہ بن گیا ہے، مدرسہ کے پاس سات سو بیگھہ آراضی ہے جس میں اس کے لیے کھیتی ہوتی ہے اور جس جگہ مدرسہ واقع ہے، وہاں بھی مدرسہ کی جگہ کشادہ ہے، جس کی وجہ سے بلڈنگ کافی دور تک میں بنائی گئی ہے، بایں ہمہ مدرسہ میں جو تعلیمی اور علمی ترقی ہونی چاہیے تھی، وہ نہ ہوسکی جس کا افسوس ہے، مدرسہ کے لیے آپ وقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ نہ تو مدرسہ کو آپ کے بغیر سوچا جاسکتا ہے اور نہ آپ کو مدرسہ کے بغیر۔

آپ کو علم سے کافی وابستگی تھی، نیز فکر معاش سے قطعاً آزادی تھی، اس لیے آپ نے جب چاہا اور جو کچھ چاہا، فوراً وہ چیز ملی، سرمایہ کا مسئلہ راستہ میں روڑا نہ بن سکا، اس کا نتیجہ ہے کہ آپ کے مدرسہ میں اچھا بڑا اور اہم کتب خانہ ہے آپ چوں کہ خوش حال تھے، اس لیے گھریلو جھنجھٹوں سے بچ گئے اور برابر گہرا مطالعہ جاری رکھا جس کی بنا پر ہندوستان کے جید علماء اہل حدیث میں سے ایک قرار پائے، آپ کو تقریر اور تحریر دونوں کا ملکہ حاصل ہوا اور دھیرے دھیرے آپ ہندوستان میں اہل حدیثوں کے بہترین خطیب گردانے گئے اور شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ نے خطیب الہند اور خطیب الاسلام کے القاب سے نوازا، نوگڑھ کانفرنس میں آپ کے خطبۂ استقبالیہ نے دھوم مچادی تھی، آپ ایک عرصہ تک جمعیت اہل حدیث ہند کے صدر اور برابر اس کی مجلس

عاملہ کے رکن رہے اور ہیں اسی طرح جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس عاملہ کے بھی آپ شروع سے رکن ہیں، آپ نے لکھنے کا آغاز طالب علمی کے زمانے ہی سے کر دیا تھا۔اس وقت سے آج تک کے مضامین درجنوں پرچوں کے اندر کئی ہزار صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں، ان میں سے کئی ایک کو مستقل مطبوع اور غیر مطبوع تالیفات کی شکل بھی دے دی گئی ہے۔آپ کی کتابیں یہ ہیں:

(۱)صیانۃ الحدیث (۲) نصرۃ الباری،نصرۃ الباری کے بارے میں مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ کا تبصرہ یہ ہے: ''پیش نظر مقالہ میں صحیح بخاری کے خصائص پر سیر حاصل بحث فرمائی گئی ہے، مولانا علمی اور اصلاحی حیثیت سے اس مقالہ میں کافی حد تک کامیاب ہیں، چوں کہ اہل قرآن بھی صحیح بخاری پر عموماً اعتراضات کرتے ہیں ،مولانا نے ان شبہات کو حسب امکان زائل کرنے کی کوشش فرمائی ہے(لله دره وعلى الله أجره) میرے محترم دوستو! مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری نے سنت کی نصرت وحمایت میں قلم اٹھایا ہے اور بڑی چھان پھٹک کر کے اس کے لیے مواد فراہم کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے اور عامۃ المسلمین کو توفیق دے کہ وہ اس سے استفادہ فرماسکیں۔'' (مقدمہ نصرۃ الباری ۱۹۔۲۲)

(۳) دلائل ہستی باری تعالیٰ (۴) تردید حاضر وناظر (۵) العلم والعلماء (۶) خلفائے راشدین (۷) سفرنامہ حجاز (۸) تحقیق مسنہ (۹) توحید باری تعالیٰ (۱۰) احترام مسلم (۱۱) ماہ رمضان کے احکام ومسائل (۱۲) کلمات دعا مع ثمرات (۱۳) دلائل صداقتِ رسالت (۱۴) کتاب الدعا (۱۵) اقلیت واکثریت کے مسائل (۱۶) سیرت النبی ﷺ (۳۰۰رصفحات) (۱۷) ادائے حقوق وصفائی معاملات (قسط وار شائع ترجمان) (۱۸) احوال قیامت وحشر اجساد (۱۰۰رصفحات) (۱۹) قرآن کریم پر پادریوں کے پانچ شبہات اور جوابات (۸۰ر صفحات) (۲۰) فضائل ومسائل نماز (۲۰۰رصفحات) (۲۱) اسلاف کرام کی فیاضیاں (قسط وار شائع ترجمان) (۲۲) حرمت سود وجوا (تقریر) (۲۳) صبر واستقامت کا پیغام امت مسلمہ

کے نام (تقریر) (۲۴) تقویٰ کی خصوصیات (۲۵) مسئلہ عشر عقل و نقل کی روشنی میں (۲۶) اسلام وسائنس (۲۷) فسلفۂ خیر وشر (۵۰/صفحات) (۲۸) کائنات عالم میں زمین کی اہمیت (۲۹) ایمان وعمل (۸۰۰/صفحات) (۳۰) رسالۂ عشر (۱۶/صفحات) (۳۱) مسئلہ زکوٰۃ (۱۶/صفحات) (۳۲) اوقات کا روشن تابناک سلسلہ (۷۰/صفحات) (۳۳) صحابہ کرام کی دولت مندی اور سخاوت وفیاضی (۷۰/صفحات) (۳۴) تعلیمات اسلام کی حقانیت اور تبلیغ محمدی کی انقلابی قوت (۳۰/صفحات) (۳۵) ضلالت وہدایت سے متعلق آیات کریمہ کی تشریح (۲۵/صفحات) (۳۶) مذہب اہل حدیث اپنے نظریات وخصوصیات کے آئینے میں (۱۰۰/صفحات) (۳۷) سفر حج کے آداب وشرائط اور چند مقدس آثار وشعائر (۳۸) اشعار وقصائد کی دینی حیثیت (۳۹) عاملین حدیث کا پہلا مقدس گروہ (۱۰۰/صفحات) (۴۰) علماء دین اور امراء اسلام (۴۱) عربی زبان اور خوشحال مسلمان (۴۲) مقررین اور واعظین پر عتاب کا جواب (۴۳) قربانی پر معیشت کی آڑ میں اعتراض (۲۵/صفحات) (۴۴) دینی تعلیم وامراء زمانہ (۴۵) علم دین کا مقام اور مدارس اسلامیہ کی تاریخ (۴۶) عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل (۴۷) بقرہ عید میں ذبح جانوران جیو ہتیا نہیں (۴۸) مومنین عابدین ذاکرین کے اوصاف (۴۹) اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے (۵۰) صداقت قرآن اور اصطلاحات بائبل (۵۱) انفاق فی سبیل اللہ ودینی وملی ادارے (۵۲) نعم البدل (۵۳) حقانیت اسلام اور تہذیب حاضر کے ظلمات (۵۴) لادینی تحریکات کے دور میں دینی اداروں کا قیام (۵۵) آپ بیتی وجگ بیتی کے چند واقعات (۵۶) خلافت فاروق اعظم (۵۷) مطالب خطاب وفوائد حمد وصلوٰۃ (۱۰۰/صفحات) (۵۸) فہم قرآن (۵۹) خطبۂ استقبالیہ نوگڑھ وغیرہ۔

(۴۵)

مولانا عبدالستار بانسی (بستی)

مولانا عبدالستار بانسی کے رہنے والے تھے، غالباً تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی دہلی میں رہنے لگے اور مدرسہ زبیدیہ میں پڑھاتے رہے، مسجد زبیدیہ کے امام بھی آپ ہی تھے، بڑے عابد و زاہد تھے، ہمیشہ رمضان میں اعتکاف کرتے تھے اور اشراق وغیرہ کی پابندی کرتے تھے، بڑے خوش پوش تھے، ایک زمانہ تک دہلی میں درس دیتے تھے، آپ کا وعظ نہایت بہترین اور پُر اثر ہوتا تھا، اس میں لوگ بڑی تعداد میں شرکت کرتے تھے، دہلی کے مالدار گھروں کی لڑکیاں آپ کے یہاں پڑھنے جاتی تھیں، جنھیں آپ کی اہلیہ پڑھاتی تھیں۔

آپ کی اہلیہ کا انتقال دہلی ہی میں ہوگیا، اس کے بعد آپ بانسی چلے آئے، آپ کو مطالعہ کا کافی شوق تھا، اس لیے مسلکی کتابیں کافی رکھتے تھے، بانسی آنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں انتقال ہوا۔

(۴۶)

مولانا عبدالستار بسکوہر (بستی)

نام عبدالستار، مولد و مسکن بسکوہر (بستی) ابتدائی تعلیم بسکوہر میں مولانا اللہ بخش سے پائی۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں پڑھا، پھر میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے سند فراغت حاصل کی۔

پوری عمر درس و تدریس اور تبلیغ دین میں گزاردی، جب مولانا اللہ بخش صاحب وفات پاگئے اور بسکوہر میں تدریسی سلسلہ منقطع ہوگیا تو مولانا ہی نے یہ سلسلہ جاری کیا، آپ کی وفات بسکوہر میں ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔

(۴۷)

مولانا عبدالسلام بلک ڈیہہ (نیپال)

نام عبدالسلام بن محمد یونس مولد و مسکن مدھوکر پور عرف بلک ڈیہہ ضلع کپل وستو، ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں میں ہوئی، عربی کی تیسری یا چوتھی کی تعلیم بھی یہیں کی تھی، پھر مدرسہ عالیہ مئو سے سند فراغت حاصل کی، دارالعلوم ششہنیاں میں کئی سال سے عربی درجات کو پڑھا رہے تھے، مدرسہ کے بحرانی دور میں آپ بھی ان مخلصین میں سے ایک تھے جنھوں نے تعلیم اور تبلیغ کا حق ادا کیا، بعض وجوہ کی بناء پر مدرسہ سے مستعفی ہوئے اور پھر بدرجۂ مجبوری مقام باڑی (دھولپور، راجستھان) کا سفر کیا ابھی چند ماہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ چلا تھا کہ مرض الموت آپہنچا اور کچھ دنوں بیمار رہ کر اپنے وطن میں ۱۹۸۳ء میں انتقال کر گئے، رحمہ اللہ۔

آپ نے انگریزی سے بی.اے. کا پرائیویٹ امتحان بھی بستی سے پاس کیا تھا، چنانچہ عربی اور اردو کے ساتھ انگریزی کی مناسب سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔

آپ صالح و دیندار و امانت دار طبیعت ہونے کے علاوہ محنتی نوجوان اور دلچسپی سے عملی میدان میں مناسب رول ادا کرنے والے صاحب وجاہت آدمی تھے، جب میں نیپال میں کسی طرح کی دعوتی تحریک کے سلسلے میں غور کرتا تھا، تو آپ کے بارے میں رائے قائم کرتا تھا کہ ان کی سوجھ بوجھ نیز دیگر صلاحیتوں کی بنیاد پر آپ کو سب سے اہم ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ تقریبا چالیس سال کی عمر میں انھیں اپنے پاس بلا لیا۔

(۴۸)

مولانا عبدالسلام ششہنیاں (بستی)

والد کا نام یاد علی تھا، آپ کے آباء واجداد فیض آباد کے رہنے والے تھے، ۱۸۵۷ء میں یہ خاندان ضلع بستی ہجرت کر گیا تھا، آپ بستی کے شمالی علاقہ کے ایک گاؤں بشن پور میں ۱۳۲۷ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم نیپال میں پائی، والدین کے ساتھ کلکتہ دس سال کی عمر میں گئے، یہیں والد کا انتقال ہوگیا، آپ مل کی ملازمت سے اپنا اور اپنی والدہ کا پیٹ بھرتے تھے، ڈیڑھ سال بعد گھر آئے اور مفتاح العلوم بھٹ پرا اور پڑریا نیپال میں فارسی پڑھی، ایک سال کے بعد دہلی آئے اور مدرسہ حمیدیہ صدر بازار میں چھ ماہ رہ کر مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے، یہاں مولانا خلیل احمد، مولانا ظہور الحسن اور مولانا زکریا وغیرہ سے پانچ سال تک استفادہ کیا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد حدیث پڑھنے کی غرض سے دارالحدیث رحمانیہ دہلی آئے اور مولانا عبدالغفور اعظمی، مولانا عبدالرحمٰن بہاری، مولانا سکندر علی ہزاوی اور شیخ الحدیث مولانا احمداللہ پرتاپ گڑھی سے رحمانیہ میں پڑھا، اس کے بعد لکھنو گئے، ندوہ میں طبیعت نہ لگنے کی وجہ سے تکمیل الطب کالج میں طب پڑھنے کے لیے داخل ہوئے، پھر مدرسہ فرقانیہ میں فلسفہ پڑھا، علم کے پیاسے کو ابھی دیوبند جانا باقی تھا، وہ پورا ہوا، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مرتضٰی، مولانا محمد شفیع، مولانا محمد ابراہیم، مولانا اعزاز علی، مولانا اصغر حسین اور مولانا غلام رسول سے حدیثیں پڑھیں، دیوبند سے فارغ ہوکر دہلی آئے اور ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ حاجی علی جان میں پڑھانا شروع کیا اور سولہ سال تک حدیث کا درس دیتے رہے، ۱۳۶۶ھ میں تقسیم ملک کا حادثہ ہوا تو مولانا کی لائبریری کو بہت سے لوگوں کی طرح نقصان پہنچا اور اس ہنگامے میں سنن ابن ماجہ کی مطول عربی شرح ضائع ہوگئی جسے آپ نے خون جگر سے لکھا تھا، ہنگامہ ختم ہوا تو

وطن بستی آئے اور ششھنیاں الیدہ پور میں گھر بنایا پھر چند ہی دنوں بعد مدرسہ حاجی علی جان کا خط پہنچا اور ۱۹۴۸ء میں دہلی آ گئے اور مدرسہ ریاض العلوم میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۹۴۸ء سے ۱۹۷۴ء تک ریاض العلوم ہی میں درس حدیث دیتے اور ریاض العلوم کو اپنے خون سے سینچتے رہے۔

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارک پوری کی شہادت ہے کہ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد دہلی میں اس مدرسہ کو اہل حدیث کی پہلی واحد دینی بڑی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، جہاں باقاعدہ دورۂ تفسیر و حدیث ہوتا ہے (اخبار اہل حدیث، دہلی) مولانا نے درس حدیث کے ذریعہ شاگردوں کی ایک بڑی جماعت تیار کر دی جو ملک کے مختلف حصوں میں دین کی خدمت کر رہے ہیں، اس کے ساتھ ہی آپ نے تبلیغ دین کا فریضہ عوامی سطح پر بھی بہت اچھے انداز میں کیا ہے، اس سلسلے میں آپ نے ''الاسلام'' نامی ماہنامہ پرچہ بھی نکالا جو تاحیات نکلتا رہا اور آپ کے بعد بھی نکل رہا ہے، آپ کا اہم ترین کارنامہ عوام کے لیے دینی لٹریچر کی فراہمی ہے، آپ نے کئی درجن کتابیں مختلف اسلامی موضوعات پر عوامی انداز میں لکھیں اور شائع کیں اس کی مفصل فہرست آگے درج کی جا رہی ہے، پہلے آپ کے بارے میں ایک اہم تأثر نقل کیا جا رہا ہے، مولانا عبدالحمید رحمانی فرماتے ہیں: ''آپ کا شمار تقسیم ملک کے بعد ان افراد میں ہوتا تھا، جن کے قلمی و لسانی جہاد، تبلیغی مساعی، ورع و تقویٰ اور سادہ زندگی نے معاشرہ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔'' دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''میرے نزدیک تقسیم ملک کے بعد عوامی لٹریچر کی کثرت کے اعتبار سے آپ کی تصنیفات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔'' (ترجمان ۲/۱۵/ ۱۹۷۴ء)

لیکن ان میں ضعیف حدیثوں کا وجود ان کی اصلاح کا طالب ہے۔

آپ کا انتقال ۶ر فروری ۱۹۷۴ء کو بحالت صلاۃ ہوا اور دلی کے قبرستان شیدی پورہ (جس میں میاں صاحب وغیرہ بھی مدفون ہیں) میں مدفون ہوئے۔

غیر مطبوعہ ضائع شدہ تالیفات:۔ (۱) ابن ماجہ کی مطول عربی شرح (۲) الصمصام الباری علی عنق جارح البخاری (۳) خیر المتاعۃ فی مسئلۃ الرّضاعۃ (۴) اللعب بالشطرنج (۵) حقوق الزوجین (۶) اسلامی فتاویٰ کی دس جلدیں۔

مطبوعہ تالیفات:۔ (۱) انوار المصابیح ترجمہ مشکوۃ المصابیح دس جلدیں (۲) اسلامی تعلیم گیارہ جلدیں (۳) اسلامی خطبات تین جلدیں (۴) اسلامی وظائف (۵) خواتین جنت (۶) خطبات التوحید (۷) بلاغ المبین (۸) اسلامی عقائد (۹) اسلامی پردہ (۱۰) کشف الملہم فی ترجمہ مقدمہ مسلم (۱۱) فضائل حدیث (۱۲) فضائل قرآن (۱۳) کتاب الجمعہ (۱۴) حلال کمائی (۱۵) ایمان مفصل (۱۶) کلمۂ طیبہ کی فضیلت (۱۷) اخلاص نامہ (۱۸) اسلامی فتاویٰ ایک جلد (۱۹) چہل حدیث (۲۰) مذمت حسد (۲۱) اسلامی اوراد (۲۲) رسالہ اصول حدیث (۲۳) زبان کی حفاظت۔

(۴۹)

مولانا عبدالسلام کونڈوں (گونڈہ)

بونڈیہار کے قریب کونڈوں نامی موضع مسکن ہے، ابتدائی تعلیم بونڈیہار میں ہوئی اور جامعہ رحمانیہ بنارس سے فراغت۔

سراج العلوم جھنڈانگر اور جامعہ رحمانیہ بنارس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ مولانا عبدالحمید رحمانی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کی اپنی نظامت کے دور میں آپ کو اپنا نائب منتخب کیا، ایک سال بعد آپ دونوں دہلی منتقل ہوگئے، ۱۹۷۴ء میں جب مولانا عبدالحمید رحمانی کو نظامت سے سبکدوش کیا گیا تو آپ کو نظامت سونپی گئی، غالباً ۷۹۔۱۹۷۸ء میں آپ مرکزی جمعیت کی نظامت سے مستعفی ہوکر فیجی (آئی لینڈ، ساؤتھ پیسفک) بغرض دعوت وتبلیغ منتقل ہوگئے اور اب ۱۹۸۳ء تک

وہیں ہیں، آپ نے مضامین ومقالات کے علاوہ چند چیزیں تیار کی ہیں۔

(۱) اخلاقی کہانیاں تین حصے جو مکاتب اہل حدیث میں داخل نصاب ہے (۲) امام حسن بصری، حیات وملفوظات (۳) فضائل یوم عاشوراء (مطبوع) (۴) الإبداع فی مضار الإبتداع کا ترجمہ، جریدہ ترجمان دہلی میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔

(۵۰)

مولانا عبدالشکور بڑھے پوروا (بستی)

آپ کے لڑکے مولوی رضوان نے اہل حدیث دہلی مجریہ ۱۵/اکتوبر یکم نومبر ۱۹۶۵ء میں آپ کی وفات کے بعد چند باتیں تحریر کی تھیں یہ مضمون اسی سے ماخوذ ہے۔

آبائی وطن ''گوپال پور'' شیو پتی گنج تھا، فراغت کے بعد موضع بڑھے پوروا علاقہ الیدہ پور منتقل ہوگئے، جھنڈا نگر میں مسلسل پانچ سال تک قرآن وحدیث کا درس دیا، پھر مقام ''پھلوریا'' علاقہ الیدہ پور میں ایک دینی مکتب قائم کیا اور اسے عروج پر لے جانے میں ہر ممکن سعی پیہم کی تقریبا (۳۰) سال تک اس ادارہ کی رہنمائی کرتے اور درس دیتے رہے۔

دعوت وتبلیغ کا بے پناہ جذبہ تھا مسلک کی ترویج اور دین کی تبلیغ میں بڑی کوشش کرتے تھے، صاحب تقویٰ اور صاحب اوراد ووظائف تھے۔

وفات سے پانچ سال قبل بوجہ علالت مدرسہ پھلوریا سے مستعفی ہوگئے تھے اور ساٹھ سال کی عمر میں ۲۸/ستمبر ۱۹۶۵ء مطابق ۲/جمادی الآخرۃ ۱۳۸۵ھ کو وفات پائی۔

(۵۱)

مولانا عبدالصمد ٹھکراپور (بستی)

آپ کے والد کا نام محمد سلطان اور گاؤں کا نام ٹھکراپور ہے۔ آپ کے صحیح حالات

بتانے والا کوئی نہ مل سکا، البتہ خیال ہے کہ ۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۵ء میں کسی وقت آپ کی ولادت ہوئی، کیوں کہ تراجم علماء حدیث ہند میں آپ کی عمر ۵۰ سال بتائی گئی ہے۔
ابتدائی تعلیم یوسف پور میں مولانا نوراللہ وغیرہ سے ہوئی، بعد میں آپ کے دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کا پتہ چلتا ہے کیوں کہ تراجم میں دیے گئے آپ کے تمام اساتذہ مدارس دہلی کے اساتذہ نظر آتے ہیں، مثلاً علامہ محمد بشیر سہسوانی، ڈپٹی نذیر احمد خاں، مولانا عبدالجبار عمرپوری، مولانا محمد اسحاق منطقی، مولانا عبدالوہاب صدری، مولانا عبدالوہاب نابینا اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی غالب گمان یہ ہے کہ آپ نے مدرسہ حاجی علی جان میں داخلہ لیا ہوگا، یہیں مولانا عبدالعزیز میمن راج کوٹی کے ساتھ پڑھتے رہے ہوں گے، مدرسہ کے غیر تعلیمی اوقات میں یا یہاں سے فراغت کے بعد وسرے علماء سے استفادہ کیا ہوگا، آپ کی تین کتابیں معلوم ہوسکیں: (۱) **خروج النساء إلی العیدین** (۲) **إثبات الجمعة في القری** (۳) **رسالہ علم صرف** ان کتابوں کی جستجو اور حالات کی تلاش میں آپ کے خاندان کے لوگوں سے ملاقات کی مگر کوئی خاص کامیابی نہ ہوسکی، صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ آپ نے فراغت کے بعد کہیں درس وتدریس کا فریضہ انجام نہیں دیا، بلکہ گھر کی آراضی کافی ہونے کے ناطے کھیتی باڑی میں لگ گئے، کتابیں گھر کے کتب خانے میں موجود تھیں، مگر بہت تلاش وجستجو کے بعد بھی کوئی کتاب نہیں ملی، البتہ ایک کتاب ضخیم بتائی جاتی ہے۔
آپ کے انتقال کی تاریخ بھی معلوم نہیں، تخمیناً ۴۲-۱۹۴۰ء کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے، مولانا عبدالجلیل رحمانی آپ کی تاریخ وفات ۱۹۳۸ء بتاتے ہیں، آپ کے پاس ایک اچھا کتب خانہ تھا جس میں بیش قیمت کتابیں تھیں کچھ کتابیں بعض لوگوں کے ہاتھ لگ گئیں، چند دنوں پہلے کچھ کتابیں مدرسہ اسلامیہ عربیہ اکرہرا (بستی) میں دے دی گئیں اور کچھ کتابیں گھر ہی پر ہیں۔

(۵۲)

مولانا عبدالعظیم اکرہرا (بستی)

(بروایت مولانا عبدالنور بن مولانا عبدالعظیم)

نام عبدالعظیم، قصبہ اٹوا کے پاس پپری نامی گاؤں آبائی وطن اور اکرہرا ننہال تھا، بچپن ہی میں اکرہرا آئے اور یہیں کے ہورہے، ابتدائی تعلیم کے بارے میں معلومات نہیں، البتہ بعد میں دہلی گئے اور مولانا محمد جوناگڑھی کے ساتھ مدرسہ دارالکتاب والسنۃ میں پڑھنے لگے، مولانا عبدالوہاب صدری آپ حضرات کے استاد اور مرشد و مربی تھے۔

بتایا جاتا ہے کہ آپ کا داخلہ مدرسہ میں چھ ماہ تک نہیں ہوسکا تھا اس درمیان میں آپ نے بڑی عسرت کی عبرت آموز زندگی گزاری، داخل شدہ طلبہ کے کھانے سے روٹیوں کے جو ٹکڑے بچ جاتے اور سوکھ چکے ہوتے تھے، آپ انھیں بھگو کر کھایا کرتے تھے، مولانا محمد جوناگڑھی کے ساتھ فراغت حاصل کی۔

مولانا جوناگڑھی سے آپ کے تعلقات چوں کہ گہرے اور دوستانہ تھے، اس لیے ان کی خواہش تھی کہ صاحب ترجمہ انھیں کے ساتھ دہلی یا گجرات میں رہیں اور دعوت و تبلیغ کا پروگرام بنا کر ایک ساتھ کام کریں مگر آپ نے وطن میں رہ کر تبلیغ دین اور گھریلو ذمہ داریوں کو سنبھالنا مناسب سمجھا۔

فراغت کے بعد گاؤں اور خاندان کے بچوں کو بلا اجرت مکتبی تعلیم دیتے رہے مطالعہ کا شوق تھا اور حدیث و شروح نیز امام ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کی کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتیں، تقریر بڑی عام فہم سلیس اور پراثر ہوتی تھی، علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے، باقاعدہ کسی عربی مدرسے میں نہیں پڑھایا، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری

اور حاجی نعمت اللہ خاں مؤسس مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر (نیپال) علاقہ بستی و گونڈہ کے دوروں میں آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور آپ پر اعتماد کرتے تھے، تقویٰ اور خشیت الٰہی آپ کا شعار تھا اور انھیں موضوعات پر اکثر تقریر بھی کرتے اور روتے اور رلاتے تھے، آپ کا انتقال ۲۹ / نومبر ۱۹۷۷ء کو ہوا، اولاد میں مولانا عبدالصبور رحمانی، مولانا عبدالنور ندوی اور مولانا عبدالعلیم مدنی قابل ذکر ہیں۔

(۵۳)

مولانا عبدالعلیم اکرہرا (بستی)

نام عبدالعلیم بن عبدالعظیم، مولد و مسکن اکرہرا، ولادت یکم جنوری ۱۹۴۸ء ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ اکرہرا میں ہوئی، عربی کی تعلیم ندوہ لکھنؤ میں پائی، یہاں سے ۱۹۶۱ء میں فراغت پائی پھر جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۶۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ سے ۱۳۹۳ھ میں کلیہ کیا اور جامعہ ام القریٰ سے ۱۳۹۸ھ میں ایم اے کیا۔

بعد ازیں رابطۃ العالم الاسلامی مکۃ المکرمہ میں اردو مترجم کی حیثیت سے اور پھر شعبۂ مبعوثین و دعاۃ کے بعض عہدوں پر فائز ہیں۔

تالیفات میں مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' کا عربی ترجمہ بنام (۱) **''محمد بن عبدالوهاب مصلح مظلوم ومفتریٰ علیه''** (مطبوع) (۲) مولانا عبدالسلام مبارکپوری کی کتاب ''سیرۃ البخاری'' کا عربی ترجمہ (مطبوع) (۳) **الأحادیث الواردة فی المهدی فی میزان الجرح والتعدیل** (۴) **تحقیق ودراسة کتاب الثقات للعجلی** (مطبوع)

اردو عربی اور انگریزی پر پوری قدرت رکھتے ہیں، زبان صاف ستھری ہے اور علم و مطالعہ گہرا اور وسیع۔

(۵۴)

مولانا عبدالغفار پنڈت پور (بستی)

بجھا بازار کے قریب مقام پنڈت پور مولد و مسکن ہے، ریاض العلوم سے فراغت حاصل کی اور دعوت و تبلیغ کے جذبہ کے تحت اپنے علاقہ کے مسلمانوں سے تعاون لے کر ایک مدرسہ قائم کیا جس میں دوسری تیسری جماعت تک عربی تعلیم ہو رہی ہے، آپ نوجوان اور جواں ہمت ہیں، اخلاق و کردار بھی خوب ہے۔

(۵۵)

مولانا عبدالغفار مڑلا (بستی)

نام عبدالغفار بن مولانا نوراللہ مڑلا نامی گاؤں میں سکونت ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا نوراللہ سے پائی پھر رحمانیہ میں کچھ دن پڑھا، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، پھر مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں فراغت حاصل کی۔

پہلے ''مڑلا'' میں بچوں کو پھر مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں کچھ دنوں پڑھاتے رہے، چند دنوں بعد نیپال کے ''ڈمرا'' نامی گاؤں میں ایک مدرسہ کھولا اور اس کا نام مطلع العلوم رکھا، سال بھر یہاں پڑھایا، آب و ہوا راس نہ آئی تو ''بیر کھا'' نامی گاؤں پھر نیپال، ضلع کپل وستو کے موضع بھینس کنڈہ میں ایک عرصہ تک عربی اور اردو کی تعلیم دیتے رہے، اس وقت (۱۹۸۳ء) تین چار سالوں سے مقام ''بہرا'' (برڈپور) میں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، آپ سادہ وضع قطع کے اچھے اور شریف بزرگ ہیں، علاقہ بھر میں آپ کا فتویٰ چلتا ہے، بڑے خوش اخلاق اور ملنسار ہیں، علم اچھا ہے، تدریس کی اچھی صلاحیت ہے، دعوت و تبلیغ جزوِ زندگی ہے۔

آپ کا انتقال وسط جولائی ۱۹۸۷ء میں ہوا، اللهم اغفر له وأرحمه۔

(۵۶)

مولانا عبدالغفور بسکوہر (بستی)

مولانا ابویحییٰ نوشہروی لکھتے ہیں ''عبدالغفور بن جعفر خاں (پٹھان، ایرانی النسل) مولد قصبہ بسکوہر (ضلع بستی) ابتداءً مولوی مقصود علی خاں شاہجہاں پوری سے پڑھا، تکمیل مدرسہ عالیہ دیوبند (سہارن پور) میں کی۔''

(آپ کے فرزند ذاکر صاحب نے شاہجہاں پور پھر دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم کا ذکر کیا ہے اور ملا فاضل (الہ آباد بورڈ) پاس کرنے کا ذکر دیوبند سے فراغت کے سال بتایا ہے۔ (ذکرالأ دیب ص: ۱۷-۲۲)

''ادب وعلوم مولوی اعجاز علی ومولوی ابراہیم بلیاوی سے اور حدیث مولانا انور شاہ مرحوم سے پڑھی اور تکمیل کے بعد مختلف مقامات یعنی قصبہ بسکوہر، قصبہ انتری بازار مدرسہ بحرالعلوم، مقام جھنڈے نگر (نیپال) مدرسہ سراج العلوم میں پڑھانے کے بعد اب عرصہ تین سال سے رحمانیہ دارالحدیث دہلی میں مصروف تعلیم ہیں عربی میں فی البدیہہ قصائد لکھتے ہیں۔'' (تراجم علماء حدیث ہند، ص: ۴۶۷)

آپ نے مندرجہ بالا مقامات کے علاوہ بلرام پور ڈگری کالج (اولین تدریس) مدرسہ فیض عام مئو، مدرسہ رحمانیہ کلکتہ، مدرسہ جامع اعظم دہلی، مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار (گونڈہ) اور جودھ پور وغیرہ میں عرصہ تک دین کی خدمت کی اور قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے، علماء بستی میں آپ کو استاذ الاساتذہ کا مقام حاصل تھا اور جلسوں کی صدارت آپ کی موجودگی میں صرف آپ کے ذمہ ہوتی تھی، آپ اچھے خطیب اور فی البدیہہ کہنے والے عربی کے شاعر تھے، نوگڑھ کے اجلاس عام (آل انڈیا کانفرنس کا سب سے عظیم الشان اجلاس منعقدہ ۱۹۶۱ء میں آپ کے عربی اشعار اور آپ

کے فرزند مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی کے اردو ترجمہ (بصورت اشعار) سے جلسہ کا افتتاح ہوا، آپ کا علم بڑا وسیع اور گہرا تھا، پڑھاتے تو بحر ذخار معلوم ہوتے، حدیث اور ادب کا درس سننے کے قابل تھا، ایک بہترین مدرس ہونے کے ساتھ ہی آپ بہترین مربی اور منتظم بھی تھے، جس مدرسہ میں گئے اسے آسمان کی طرح بلند کردیا، اس وقت ہندوستان میں جو اہم اہل حدیث ہستیاں ہمارے لیے قابل فخر رہی ہیں، انھیں میں سے ایک آپ کی ذات بھی تھی، آپ سیدھے سادھے پرانی وضع کے شریف بزرگ تھے، چہرے مہرے سے بزرگی کی علامتیں ہویدا تھیں، آپ جیسے صاحب علم وادب اور اہل تقویٰ وطہارت نظر نہیں آتے، آپ کی ہمہ وجوہ بزرگی مجھ جیسے بے بضاعت، قلیل العلم اور سیہ کار کے تزکیہ سے بے نیاز ہے، آپ کی ذات نے ضلع بستی و گونڈہ میں سلفیت کے سلسلے میں جو گہرے اثرات چھوڑے ہیں انھیں کوئی بھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔

آپ کے عربی فارسی اور اردو کے اشعار اگر اکٹھا کردیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہوجائے، آپ نے مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ بعض کتابوں پر حواشی (عربی) بھی لکھے مگر طبع نہیں ہوسکے، مولانا کے تعلقات مولانا عبدالرحمٰن بجواوی ماہر فرائض سے گہرے تھے، اسی گاؤں کے چودھری پنچ عبدالقیوم آپ کی بڑی قدر کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد آپ نے ''یار غار'' نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا، جو شائع ہوا طویل علالت کے بعد بسکوہر میں ۱۴؍مئی ۱۹۷۹ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور وہیں مدفون ہوئے، بلاتفریق مسلک تمام لوگوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔

تلامذہ میں مولانا اقبال حسین (ریواں) مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، مولانا عبدالقیوم دودھونیاں، مولانا عبدالخالق کراچی، مولانا عبدالغفار حسن، مولانا محمد اقبال بونڈیہار، مولانا عبدالمبین منظر اور حکیم مقبول وحکیم جمیل وغیرہ ہیں۔ اولاد میں تین لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ گئے۔ لڑکوں میں ذکر اللہ ذاکر نے اچھا نام پایا۔

(۵۷)

مولانا عبدالغفور ٹکریا (بستی)

والد کا نام رُسی بن منور، ولادت ۱۳۳۳ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مولوی شکر اللہ (جمنی بانسی) سے ہوئی اور مولانا عبیداللہ اٹاوی سے مدرسہ زبیدیہ دہلی میں کتب ستہ وغیرہ پڑھی اور وہیں فراغت حاصل کی، مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا کی تاسیس میں مولانا شکر اللہ ٹکریاوی کے معاون رہے، اصل کام کاشت کاری رہا ہے کہیں درس وتدریس کا سلسلہ نہیں رکھا۔

(۵۸)

مولانا عبدالقدوس بانسی (بستی)

مولانا عبدالقدوس صاحب کے بارے میں مولانا عبدالغنی صاحب (نوشہروی) رقم طراز ہیں: ''سن ولادت ۱۳۲۲ھ مولد قصبہ بانسی، درس نظامی مدرسہ جامع العلوم مدرسہ الٰہیات کانپور میں پورا کیا، جس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں ''دبیر کامل'' کا امتحان پاس کیا، سلسلہ تدریس میں علی گڑھ موتی مسجد کے مدرسہ اہل حدیث میں ڈیڑھ سال تک مدرس رہے، مدرسہ محمدیہ اونچی مسجد کانپور میں دوسال تک پڑھایا، اب اپنے مولد میں ایک مدرسہ جاری کررکھا ہے (مدرسہ اسلامیہ کے بانی مولانا عبدالوہاب صاحب ہیں، مولانا عبدالقدوس صاحب نے ان کے بعد اس مدرسہ کو سنبھالا اور آگے بڑھایا ہے) آپ کے آباء واجداد اہل حدیث تھے، بانسی کے مشہور محدث مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم آپ کے نانا ہوتے ہیں۔'' (تراجم علماء حدیث ہند ص: ۴۷۰)

ماسٹر عزیز الحق صاحب کی روایت ہے کہ آپ مدرسہ اسلامیہ بانسی کے ناظم

اور صدر مدرس تھے، عربی اور فارسی میں اچھی دستگاہ تھی، آپ کی لائبریری بڑی اچھی تھی، آپ سے تمام کتابیں حاصل کر کے مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی (۱۹۷۶ء) اپنے مدرسہ میں لے گئے تھے، حافظ عبدالرحمٰن صاحب جمنی والے، مولانا عبدالمنان کنڈراؤں والے آپ کے شاگرد ہیں، ماسٹر عزیز الحق صاحب نے بھی عربی فارسی آپ ہی سے پڑھی تھی، آپ کا انتقال ۱۹۷۶ء میں ہوا۔

(۵۹)

مولانا عبدالقدوس ٹکریا (بستی)

ذیل میں مولانا کا تذکرہ ان کے فرزند مولوی عبدالواحد کی معلومات سے ماخوذ ہے (اہل حدیث دہلی مجریہ ۷/فروری ۱۹۷۷ء) آپ لگ بھگ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے، پانچ برس کی عمر میں ''بدل پور'' نامی گاؤں کے مکتب میں جانے لگے دس سال کی عمر میں فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا اقبال حسین (ریواں) اور سلامت اللہ صاحب (کسمی) سے پڑھیں، پھر دو تین سال میں مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ فیض عام مئو میں عربی کی جماعت ثالثہ میں داخلہ لیا، بعد میں مدرسہ حاجی علی جان میں مولانا عبدالسلام بستوی سے پڑھا اور آخر میں مدرسہ فتح پوری دہلی میں کافی حد تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۰ء میں یہاں سے فراغت حاصل کی، آپ نے مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور مولانا فخرالدین دیوبندی سے بھی اکتساب فیض کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا، ۱۹۴۰ء میں فراغت کے بعد ابتداء میں امام جامع مسجد دہلی عبداللہ بخاری کو پرائیویٹ پانچ روپیہ ماہانہ پر پڑھانا شروع کیا، پھر مدرسہ جامع اعظم دہلی میں چھ برس تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیے، بعد ازیں اجمیری گیٹ (دہلی) کے سامنے ایک عربک کالج (غالباً اس سے مراد اینگلو عربک کالج ہے) میں کچھ دنوں خدمت کی، بعد میں مولانا عبدالجلیل رحمانی نے مدرسہ

دارالعلوم ششہنیاں میں بلالیا، لیکن آپ یہاں صرف ایک سال تک قیام کر سکے پھر درس وتدریس سے غالبًا بیزاری پیدا ہوئی اور ذریعہ معاش تجارت بنایا مگر طبیعت کا میلان چوں کہ تبلیغ دین کی طرف تھا، اس لیے لوگوں کی تحریض پر اوسان کوئیاں کے مدرسہ مظہر العلوم کا نظام سنبھالا اور ۲۶ رسال تک نظامت اور مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے تا آنکہ موت آ پہنچی اور ۱۳ ردسمبر ۱۹۷۶ء کو انتقال فرما گئے، ۱۹۶۸ء میں ڈومریا گنج کے اندر مسجد اہل حدیث اور مسافر خانہ کی تعمیر کے لیے ایک قطعہ آراضی خرید کر مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی۔

چند ہی دنوں میں مسجد کی دو منزلہ عمارت تیار ہو گئی پھر ۱۹۷۱ء میں مدرسہ دینیہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا اور اس میں بچے پڑھنے لگے ان کاموں میں آپ کا زبردست ہاتھ تھا، ڈومریا گنج کی جامع مسجد میں برابر جمعہ کا خطبہ دیتے رہے، درس وتدریس کے علاوہ آپ نے وعظ وتقریر کے ذریعہ بھی لوگوں کی اصلاح میں کافی اہم کام کیا ہے، آپ کو قدرت کی طرف سے شیریں زبان اور افہام وتفہیم کی اچھی صلاحیت ملی تھی، آپ نے اس سے دین کی خدمت کی اور لوگوں کو راہ حق دکھایا۔

(۶۰)

مولانا عبدالقیوم دودھونیاں بزرگ (بستی)

آپ اپنے مسکن دودھونیاں بزرگ میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گاؤں پر کسی میاں صاحب سے حاصل کی، ۱۹۳۳ء میں فیض عام مئو میں داخلہ لیا، ایک سال بعد ۱۹۳۴ء میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا رخ کیا اور وہاں کئی سال پڑھتے رہے مگر رحمانیہ سے آخری سال کی تعلیم مکمل نہ کر سکے، لہٰذا آپ کو دارالحدیث رحمانیہ کا فارغ مان کر رحمانی لکھنا غلط ہے۔ میں نے اسی مقصد سے دودھونیاں جا کر آپ سے ملاقات کی اور اس موضوع پر گفتگو کر کے تسلی کر لی، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے آپ کے

تعلقات ہو گئے تھے، آپ نے تحریک آزادیٔ ہند میں سرگرم حصہ لیا، جس کے نتیجے میں مختلف اوقات میں کئی جگہوں پر جیل گئے، ۱۹۴۵ء میں رہائی ملی تو دینی رجحانات سیاسی سرگرمیوں پر نمایاں ہونے شروع ہوئے اور کچھ ہی دنوں میں تبلیغ اور علم کو عام کرنے کی کوشش کرنے لگے، اکرہرا میں عربی درس گاہ کی بنیاد آپ نے ڈلوائی اور سال بھر کے بعد باگ ڈور اہل قریہ کے ہاتھ میں دے کر چلے آئے، مختلف علاقوں میں مکاتب کے قیام کی طرف توجہ دلائی اور اس سلسلے میں پیدا شدہ اختلافات کو دور کرادیا، وعظ وارشاد میں نام پا چکے ہیں تقریر اچھی کرتے ہیں، پورے ہندوستان میں آپ کی مانگ ہے، قرآن کی قرآن سے تفسیر کرنے میں اچھی سوجھ بوجھ ہے، عوام کے یہاں آپ کی تقریریں زیادہ دلچسپی سے سنی جاتی ہیں۔

آپ فطری طور پر سادہ طبیعت ہیں، یہی وجہ ہے کہ صفائی ستھرائی کا کوئی التزام نہیں کر پاتے، آپ کے کپڑے اور رفتار وگفتار تو بعض حالات میں کسی دماغی کمزوری کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں، آپ نے بعض یادداشتیں کاپیوں پر تیار کر رکھی ہیں جن کے سرسری مطالعہ سے میں نے یہ رائے قائم کی کہ یہ سب آپ کی تقریروں کا تیار کردہ خاکہ ہے۔

دو کتابچے (۱) خیر الامم (اردو) (۲) تاریخ الیهود والنصاری فی ضوء الکتاب (اردو) شائع ہو چکے ہیں۔

(۶۱)

مولانا عبدالمبین منظر سمرا (بستی)

مولانا عبدالعلیم ماہر نے منظر صاحب کا تعارف ان کے مجموعۂ کلام زمزمۂ حق کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے وہ بعینہٖ درج ہے۔

نام عبدالمبین بن محمد فاضل بن ضیاء اللہ بن روشن خاں ساکن امارے ڈیہہ

ولادت ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں موضع سمرا میں ہوئی، ابتدائی تعلیم سمرا ہی میں مولانا عبدالرزاق سمراوی، مولانا عبدالمجید یوسف پوری سے حاصل کی، فارسی وعربی کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا محمد زماں انتری بازار، مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری، مولانا عبدالغفور بسکوہری (سراج العلوم جھنڈانگر) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، وسطیٰ اور علیا کے اساتذہ میں مولانا محمد یونس صاحب پرتاپ گڑھی (مدرسہ میاں صاحب دہلی) مولانا عبدالغفار صاحب حسن عمر پوری حال[1] استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، مولانا محمد منیر خاں صاحب بنارسی (جامعہ رحمانیہ بنارس) مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس) جیسے یگانۂ روزگار شامل ہیں، ۱۳۶۱ھ میں آپ نے جامعہ رحمانیہ بنارس سے سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد اب تک آپ کی تابناک زندگی حرکت وعمل کا پیکر اور گوناں گوں خصوصیات وصفات کا مجموعہ رہی، آپ صاحب صلاحیت عالم دین بھی ہیں اور خوش بیان خطیب بھی، قابل قدر مصنف بھی ہیں اور مشہور ومعروف شاعر بھی درس وتدریس کے ماہر بھی ہیں اور کامیاب مناظر بھی۔

سند فراغ حاصل کرنے کے بعد جب آپ وطن مالوف واپس لوٹے تو مولد ومسکن سمرا میں شمس العلوم کے نام سے ایک عربی ادارہ قائم کیا اور اب تک اس سے متعلق رہ کر نظامت وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں، آپ نے اپنی پوری زندگی اس ادارہ کے فروغ واحیاء کے لیے وقف کردی، چنانچہ آج یہ ادارہ آپ کے حسن انتظام اور حسن تدبیر کے نتیجہ میں ضلع بستی کے صف اول کے مدارس میں شمار ہوتا ہے، تدریس ونظامت کے ساتھ تبلیغی وتنظیمی میدان میں بھی آپ کی کارکردگی کا باب وسیع تر ہے، ضلع کے علاوہ بیرون ضلع اعظم گڑھ، گورکھپور، دیوریا، کانپور، بریلی اور بہار وغیرہ کے بے شمار جلسوں میں بارہا آپ بلائے گئے ہیں۔

آپ ایک مدت تک جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ رہ چکے ہیں، نوگڑھ کا مشہور

---

(۱) آپ ۱۹۷۹ء ہی میں جامعہ چھوڑ چکے ہیں اور پاکستان فیصل آباد میں مقیم ہیں۔

ومعروف کل ہند اجلاس آپ ہی کے دور نظامت میں منعقد ہوا ہے، آپ کی تصنیفات میں سبیل الرشاد، عقائد اسلام، خالد بن ولید نہایت اہم اور مقبول ہیں، ان کے علاوہ بھی چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھ کر آپ اہل علم سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں، اہل بدعات سے آپ نے کئی ایک مناظرے بھی کیے ہیں، حشمت علی کے مقابلے میں بھاؤپور تنہا دو دن تک ڈٹے رہے، اڑیسہ گوجیدرہ کے مناظرہ میں بھی آپ جماعت کی طرف سے بلائے گئے ،سکرولی کے مناظرہ میں علماء دیوبند کے ساتھ نمایاں طور پر بحیثیت مناظر شامل رہے، چوکھڑا میں تمام علماء براؤں کے مقابل اکیلے صف آرا تھے، آخرالذکر دونوں مناظروں میں مَیں نے بذات خود آپ کی بے پناہ مناظرانہ صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ بریلوی علماء آپ سے مرعوب رہتے ہیں اور آپ کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں، سیاسی اور سماجی خدمات میں بھی آپ ہمیشہ پیش پیش رہے ،کلکتہ کے عظیم فساد کے موقع پر معتد بہ امداد لے کر پہنچے، بنجریا اور دوپھڑیا وغیرہ فسادات میں مظلومین کی امداد اور ڈھارس بندھانے میں پیش پیش رہے، یہاں تفصیلات کا موقع نہیں، نہ اس مختصر مقدمہ میں اس کی کچھ گنجائش ہی ہے۔

ان تمام سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ آپ نے کسی قدر اسلامی، سماجی، اصلاحی ، شعروشاعری سے شغل رکھا ہے اور مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتے رہے ہیں، یوں تو آپ کی شاعری کا ذخیرہ وسیع ہے، لیکن ان میں سے کچھ حمد اور نعت اور بعض دینی واصلاحی کلام، ''زمزمۂ حق'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں (زمزمۂ حق :ص۲،۳) یہ مجموعہ آپ کے ابتدائی کلام پر مشتمل ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کا پختہ کلام اس سے زیادہ وقیع ہوگا۔

اس مقدمہ کے لکھنے کے بعد آپ کو صوبائی جمعیت مشرقی یوپی کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا جس کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

(آپ کا انتقال بنارس میں ۲۷ را کتوبر ۱۹۸۹ء کو ہوا اور اپنے وطن میں دفن کیے گئے)

(۶۲)

مولانا عبدالمجید یوسف پور (بستی)

مولانا عباداللہ مرحوم کے وطن یوسف پور کے رہنے والے ہیں، مولانا عبدالرحیم خاں بستوی کے بعض اوقات رفیق درس رہے اوران کے ساتھ مولانا محمد حسین تر کلہا والے سے استفادہ کیا، مولانا حنیف بھوجیانی کے رفیق درس بوقت فراغت رہے، مولانا عبدالجلیل رحمانی کے بیان کے مطابق بڑے ذہین اورزیرک تھے،آپ نے اپنے علاقہ کے بسنت پورنامی گاؤں اورجھنڈانگر کے پاس بہادرگنج اور برڈپور کے پاس پچپنگوا نامی گاؤں میں مکتب قائم کیااورعرصہ تک ان مکاتب میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، نیز مدرسہ بھٹ پرامیں بھی پڑھایا،تبلیغ دین کا بھی بڑا جذبہ تھا، چنانچہ انجمن اصلاح المسلمین (علاقہ برڈپور) وغیرہ کے ایک رکن کی حیثیت سے مولانا عبدالرحیم رحمانی نے آپ کو یاد کیا ہے،آپ کی اولاد میں مولانا حکیم محمد یونس وغیرہ ہیں ،مولانا موصوف سے مرحوم کا ترجمہ بارہا طلب کیا مگر قبولیت سے سرفراز نہیں ہوسکا۔

(۶۳)

مولانا عبدالمعید چیونٹھوا (گونڈہ)

(خودنوشت)

نام عبدالمعید بن عبدالجلیل مولدو مسکن موضع چیونٹھوا متصل بلرام پور،اردو ہندی اورفارسی مختلف اساتذہ سے پڑھا، جن میں مولانا عبداللہ بسکوہری خاص طور پرقابل ذکر ہیں،گاؤں کے مدرسہ ہی میں عربی کی تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۶۸ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ مل گیا، دوسال رحمانیہ میں زیر تعلیم رہا، یہاں کے اساتذہ

میں مولانا عبدالسلام رحمانی اور مولانا عزیز احمد ندوی کے فیض سے ابتدائی عربی تعلیم کافی بہتر ہوئی بلکہ عربی زبان میں سوجھ بوجھ وارتقاء کی بنیاد یہیں پڑی، ۱۹۷۱ء میں جامعہ سلفیہ آیا درمیان میں ۸/ماہ کے لیے سراج العلوم بونڈیہار میں بھی رہا، ۱۹۷۷ء میں جامعہ سلفیہ سے فراغت ملی، ۱۹۷۸ء میں رب تعالیٰ نے دیار حبیب پہنچایا وہاں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ اللغۃ میں چار سال پڑھتا رہا، ۱۹۸۲ء میں بی.اے. کی سند لے کر ہندوستان واپسی ہوئی، بروقت ڈی.اے.وی.کالج (بنارس ہندو یونیورسٹی کی شاخ) میں بی.اے. میں پڑھائی ہو رہی ہے، ستمبر ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۸ء تک جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں مدرس اور کچھ ماہ صدر مدرس یا جامعہ کی اصطلاح میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے کام کرتا رہا، محرم ۱۴۰۳ھ سے مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس میں وقت گزاری ہو رہی ہے، کچھ پڑھانا ہے، کچھ یہاں کے عربی اور اردو ماہناموں میں لکھنا ہے اور کچھ ترجمہ اور تصنیف و تالیف۔

کبھی کبھی غبار دل نکالنے کے لیے شاعری بھی ہو جاتی ہے جو کچھ وجہ شرف و باعث عزت نہیں کبھی فارسی اور عربی میں بھی کہا تھا لیکن وہ اس وقت کی بات ہے جب عربی ماحول تھا اور فارسی سے تعلق۔

علمی کاوشوں میں کچھ کتابوں کے ترجمے ہیں، کچھ عربی اور اردو میں مقالات ہیں، کچھ زیر تالیف و ترجمہ کتابیں ہیں اور بس! احباب کو حسن ظن ہے اور خود کو اپنا وجود عبث اور ناکارہ لگتا ہے، آرزو یہی ہے کہ اس پرفتن دور میں دین و ایمان پر حسن خاتمہ ہو اور مالک دو جہاں خوش ہو جائے۔

تالیفات و تراجم:

(۱) عقیدۃ المؤمن (ترجمہ) زیر طبع (تالیف علامہ جابر جزائری)

(۲) سلفی عقائد (اشتراک میں ترجمہ) زیر طبع (تالیف علامہ احمد بن آل حجر)

(۳) العمدۃ (ترجمہ) (نصف کا ترجمہ باقی ہے) (تالیف علامہ ابن دقیق العید)

(۴) خصائص التصور الإ سلامی (ترجمہ) (نصف کا ترجمہ باقی ہے) (تالیف: سید قطب)

(۵) حیاتی (ترجمہ) (نصف کا ترجمہ باقی ہے) (تالیف احمد امین)

(۶) صفات المؤمنین (عربی رسالہ)

(۷) اسباب سقوط الخلافۃ، (عربی رسالہ)

(۸) الإسلام بین جھل أبنائہ و عجز علمائہ (ترجمہ) تالیف عبد القادر عودۃ)

(۹) سید بادشاہ کا قافلہ (عربی ترجمہ) قسط وار مجلّہ الجامعۃ السّلفیہ میں شائع ہو رہا ہے، اور دیگر عربی و اردو مقالات۔

(۶۴)

مولانا عبد الوہاب بانسی (بستی)

مولانا ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''قصبہ بانسی ضلع بستی کے قدیم خانوادہ اہل حدیث کے ممبر تھے، پورا نصاب نہیں پڑھا مگر کام وہ کر گئے کہ جس سے اکثر منتہی محروم رہ گئے، اطراف و اکناف کے رہنے والے اب تک مرحوم کو یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں، وعظ میں شیرینی تھی کہ جس سے مقلدین و امامیہ کی بستیاں حلقۂ سنت میں شامل ہو گئیں، ہر ایک مشرب سے مناظرہ کرنے کے لیے صدائے عام تھی، شیعی و حنفی مناظرین نیز مسیحی مناظرین اور آرین اپدیشکوں کے بالمقابل بھی صف آرا ہوتے تھے اور ہمیشہ غالب رہتے، افسوس ہے کہ اس نوجوان نے باغ زندگی کی چونتیس بہاریں دیکھیں اور کنج لحد میں جا سوئے۔'' (تراجم علماء اہل حدیث ہند ص:۴۶۶)

آپ کے خاندان کے ایک معزز فرد ماسٹر عزیز الحق صاحب کی روایت ہے کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق تھا، چنانچہ اردو، عربی اور فارسی کتابوں کا بڑا ذخیرہ اب بھی آپ کے یہاں محفوظ ہے، مولانا امرتسری اور غازی محمود دھرم پال کی کتابیں اور اہل

حدیث پر لکھی گئی کتابیں آپ کے کتب خانے میں کافی تعداد میں پائی جاتی ہیں، آپ کو آریہ سماجیوں کے لٹریچر سے کافی واقفیت تھی جس کی وجہ سے وہ سب کے مقابلہ میں ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے، ایک کتاب جس کا نام مستحضر نہیں، لکھی تھی، ممکن ہے کتابوں کے ذخیرے میں مسودہ کہیں موجود ہو، مولانا عبدالجلیل رحمانی دارالعلوم ششہنیاں کے پہلے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں، مولانا عبدالوہاب رحمہ اللہ کی ایک کتاب کا مسودہ میری نظر سے غالبًا ۱۹۳۰ء میں گزرا تھا، اگر طبع ہوگئی ہوتی تو اچھی یادگار ثابت ہوتی۔ (خطبۂ صدارت ۱۹۴۵ء، ص:۴)

بانسی میں جو جلسے ہوتے تھے اس کے منتظم آپ ہی ہوتے تھے، چنانچہ مولانا امرتسری اور غازی محمود دھرم پال آپ ہی کی دعوت پر بانسی آئے تھے، آپ کا اہم ترین کارنامہ "مدرسہ اسلامیہ" بانسی کا قیام اور اس کا انتظام اور انصرام ہے، اس مدرسہ کا سنگ بنیاد مولانا شاہ عین الحق پھلواروی نے رکھا تھا۔

آپ نے اہل حدیثیت کی تبلیغ میں اہم کارنامہ انجام دیا، چنانچہ قرب وجوار کے لوگ اس کے شاہد ہیں، ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۲ھ میں آپ اپنے تعلقات کی بناء پر حاجی نعمت اللہ صاحب بانی مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر کے یہاں گئے ہوئے تھے، ان کے وطن "کدربٹوا" میں بیمار ہوئے اور جھنڈانگر میں انتقال فرمایا، مولانا عبدالرؤف صاحب کی تصریح کے مطابق آپ جھنڈانگر ہی میں مدفون ہوئے۔ مولانا رئیس الاحرار ندوی فرماتے ہیں "مولانا عبدالوہاب صاحب بانسی کے ہندو راجہ پر بہت زیادہ اثرانداز تھے اور شاہی خاندان موصوف سے بہت متاثر تھا، ان کا بہت زیادہ احترام وادب رکھنے کے سبب راجہ کے اندر بہت زیادہ اعتدال پسندی ومیانہ روی پائی جاتی تھی اور راجہ کا خاندان موصوف کے صاحبزادے قاری صاحب (عبدالحق) کے ساتھ بھی موروثی طور پر حسنِ سلوک پر گامزن تھا۔" (پندرہ روزہ ترجمان ج نمبر ۶ ۱۹۷۶ء)

(۶۵)

مولانا عبدالوہاب حجازی کسمھی (بستی)

عبدالوہاب حجازی بن حبیب اللہ بن اشرف نام، مولد و مسکن موضع کسمھی نزد ڈومریا گنج ۸/جنوری ۱۹۴۶ء کو ولادت ہوئی، خاندان علمی تھا، جس کا اثر فطرت پر پڑا اور اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوئے، آپ کے ماموں مولانا شکر اللہ ٹکریاوی ماموں زاد بھائی مولانا محمد احمد صاحب اور حقیقی بھائی مولانا انعام اللہ ہیں، ابتدائی تعلیم گاؤں کے سرکاری مکتب میں پھر مظہر العلوم اوسان کوئیاں اور مفتاح العلوم ٹکریا کے مکاتب میں حاصل کی، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا شکر اللہ صاحب سے حاصل کی، پھر مئو کے مدرسہ دارالحدیث میں چھٹی تک پڑھا، اس کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس سے تکمیل کی اور سند فراغ حاصل کی۔

فراغت کے بعد ایک سال روزنامہ دعوت دہلی میں صحافتی تجربہ حاصل کیا، پھر ضلع بستی کے مدرسہ اکبرپور جمنی میں پڑھاتے رہے، ۱۹۷۳ء میں ضلع بریلی کا رخ کیا اور تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ ۱۹۷۹ء تک جاری رکھا، جس کے بعض اچھے فوائد ظاہر ہوئے مثلاً: بعض مکاتب کا علاقۂ بریلی میں قیام اور مرکزی جمعیت سے روابط وغیرہ۔

۱۹۸۰ء سے مادر علمی جامعہ سلفیہ میں قیام ہے وہاں شعبۂ تالیف و ترجمہ کے ایک رکن ہیں، تین سال کے عرصہ میں چھوٹی بڑی مندرجہ ذیل عربی کتابوں کا ترجمہ کر چکے ہیں:

(۱) کبائر، مؤلف: علامہ ذہبی، زیر طبع

(۲) سلفی دعوت کے علمی اصول، مؤلف: عبدالرحمٰن عبدالخالق کویتی، مطبوع۔

(۳) سلفی دعوت اور ائمہ اربعہ، مؤلف: عبدالرحمٰن عبدالخالق کویتی، مطبوع۔

(۴) القیاس، مؤلف: سلیمان الأشقر، زیر طبع۔

(۵) ماسونیت، مؤلف: صفوت سقا سعدی۔

(٦) حجیت حدیث، مؤلف: علامہ محمد ناصر الدین البانی۔

(۷) نفحات من السکینۃ القرآنیہ، مؤلف: محمد بن ناصر عبودی۔

(۸) الشیوعیۃ والأدیان، مؤلف: طارق حجی۔

(۹) تربیت اولاد، تالیف۔

اس سال سے ایک گھنٹی پڑھانا بھی شروع کردیا ہے، شعر وشاعری کا بھی ذوق ہے، آدمی صاحب صلاحیت اور با اخلاق ہیں۔

(٦٦)

مولانا عظیم اللہ نیپالی

مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا محمد اسحاق محدث بانسوی کے ارشد تلامذہ (جن سے علاقہ بستی و گونڈہ و نیپال میں اللہ کے بندوں کو ہدایت ملی) کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''چوتھے قابل (ذکر) شاگرد جناب مولانا عظیم اللہ صاحب (نیپالی) تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے سنت کا کماحقہ عشق عطا کیا تھا، آپ کی سعی سے بھی قوم بہت کچھ سدھری رحمہ اللہ۔'' (اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۳/رمضان ۱۳۴٦ھ)

آپ کے بارے میں مولانا عبدالغفار مڑلاوی بن مولانا نور اللہ کا بیان ہے کہ ''آپ مہسڑ (لمبنی نیپال) کے باشندے تھے، آپ نے کچھ دنوں تک علاقہ میں ابتدائی تعلیم وتدریس کا کام کیا اور تبلیغ دین میں ہمہ تن کوشاں رہے۔''

(۶۷)

میاں علی رضا پھلوریا (بستی)

آپ پھلوریا نامی گاؤں علاقہ مٹکا کے رہنے والے تھے، مولانا نوراللہ کے شاگردوں اور مولانا عباداللہ یوسف پوری کے مستفیدین میں سے تھے، ایک گھوڑے پر سوار ہو کر علاقے میں گشت کرتے اور دین کی تبلیغ کیا کرتے تھے، زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے پھر بھی علماء کی صحبت نے عوام کی اصلاح کے لائق بنادیا تھا۔

ف

(۶۸)

مولانا فرید احمد پیکولیا مسلم ہریا (بستی)

آپ کی ولادت موضع پیکولیا مسلم تحصیل ہرّیا بستی میں ۲۳، ۱۹۲۲ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر کے پاس ہی حاصل کی، پہلے اردو سے ۱۹۳۳ء میں مڈل کیا پھر ہندی سے بھی دوسرے سال مڈل کا امتحان پاس کیا، ایک سال سے کچھ زائد عرصہ گھر پر بے کار رہے، دینی تعلیم کی طرف کوئی رغبت نہیں تھی، کچھ دنوں سے آپ کے یہاں ایک حافظ صاحب بچوں کی تعلیم کے لیے آئے ہوئے تھے، انھوں نے آپ کے اندر بعض خوبیاں دیکھیں جس کی وجہ سے آپ کو عربی تعلیم حاصل کرنے کی رغبت دلانے لگے، چند دنوں میں اس کوشش کا اثر ظاہر ہوا اور آپ نے عزم کرلیا کہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے باہر نکلنا ہے، حافظ صاحب موصوف کو دارالعلوم شکراوہ سے غالبًا کسی طرح کی وابستگی تھی، انھوں نے آپ کے داخلے سے متعلق شکراوہ سے خط وکتابت کی، ادھر صاحب تذکرہ کی شادی بھی ہوگئی، آپ نے نئی بیوی سے تعلیم کی طرف توجہ کا تذکرہ کیا تو لائق بیوی نے بخوشی اجازت دی اور کچھ پیسے بھی ہبہ کیے، آپ نے اپنی ہمراہی کے لیے گاؤں کے دو اور بچوں کو تیار کر رکھا تھا، تینوں چپکے سے نکلے اور دہلی پہنچے اور یہاں سے شکراوہ جاکر ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور قرآن مجید کی تعلیم شروع کردی، اگلے سال عربی کی پہلی جماعت کی تعلیم حاصل کرنی تھی آپ کی طبیعت وہاں کے ماحول اور کھانے پینے سے ہم آہنگ تو نہ تھی مگر کسی طرح ایک سال اور یہاں گزارا اور پہلی جماعت مکمل

کر لی درجہ میں اول آنے پر آپ کو بلوغ المرام بطور انعام ملی۔

اگلے سال ۱۹۳۸ء میں فیض عام مئو میں داخلہ لینا پسند کیا، داخلہ ہوا، یہاں آپ دو سال تک زیر تعلیم رہے پہلے سال کافیہ میں پورا نمبر لانے سے تحفۃ الاحوذی اور دوسرے سال بلوغ المرام حفظ کرنے کے صلہ میں صحیح بخاری بطور انعام ملی۔

۱۹۳۹ء کے اواخر میں آپ نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا رخ کیا، یہاں آپ کا داخلہ دوسری جماعت میں ہوا، یہاں چار سال پڑھنے کے بعد ۱۹۴۳ء میں رحمانیہ چھوڑ کر مولانا محمد اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ) سے استفادہ کرنے کا عزم کیا اور امرتسر پہنچ کر مدرسہ غزنویہ میں قیام پذیر ہوئے، یہاں مولانا محمد حسین صاحب سے جو امام عبدالجبار غزنوی کے داماد تھے، استفادہ کیا پھر لاہور ہوتے ہوئے گوجرانوالہ پہنچے اور مدرسہ محمدیہ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی سے سنن ترمذی وغیرہ اور مولانا محمد گوندلوی سے سنن ابی داود اور صحیح مسلم وغیرہ پڑھی، اگلا سال آپ کی فراغت کا تھا مگر طبیعت کا میلان تعلیم حاصل کرنے کی طرف نہیں رہ سکا اور تعلیم مکمل کیے بغیر گھر بیٹھ رہے۔

اب عملی زندگی کا آغاز کیا اور تجارت شروع کی مگر اس میں سخت ناکامی ہوئی، ۱۹۴۷ء میں مشرقی پاکستان ہجرت کر گئے اور چیٹا گانگ میں المونیم کا ایک کارخانہ قائم کیا ابھی آپ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ اعزہ واقرباء کے اصرار پر وہاں کا سارا اثاثہ چھوڑ کر وطن واپس آ گئے۔

وطن پہنچ کر آپ نے گاؤں ہی میں ایک مکتب قائم کیا اور اس میں پانچ سال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا اور پھر اسی وقت سے اب تک (۱۹۸۹ء) اس کا انتظام وانصرام دیکھ رہے ہیں، آپ نے اپنی اور اپنے خاندان کی معاشی خود کفالت کے سلسلے میں لکڑی کی تجارت کر لی اور بحمد اللہ کافی دنوں سے یہ تجارت فروغ پر ہے، گاؤں سے

متصل گورنامی مقام پر ۱۹۷۷ء میں ایک مکتب قائم کیا اور ۱۹۸۴ء میں ایک مسجد بنوائی۔

آپ نے وطن میں اقامت اختیار کرنے کے ساتھ ہی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کردیا تھا تاکہ اس پچھڑے علاقہ میں دینی تعلیم کو رواج دیا جائے اور عوام میں دینی رجحانات پیدا کیے جائیں، اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے ''مجھوا میر'' نامی گاؤں میں پند ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا اور لوگوں کو رغبت دلائی کہ صحیح احادیث پر عمل کریں اور موضوع وضعیف احادیث پر نہ تو اپنے عقائد کی بنیاد رکھیں نہ عمل کریں، اہل حدیثوں کے بعض امتیازی مسائل بھی خصوصی طور پر زیر بحث آئے آپ نے چیلنج کیا اور اس کا صحیح جواب نہ دینے کی وجہ سے عوام کی اچھی خاصی تعداد اہل حدیث ہوگئی۔

آپ کی جدوجہد کے نتیجہ میں پیکولیا مسلم گاؤں کے مکتب کی ایک جائداد بھی ہوگئی ہے جو ۲۲ ربیگھے زمین اور ایک وسیع قطعۂ آراضی میں ایک بہترین اور پائیدار عمارت کی شکل میں ہے، اس سال (۸۹، ۱۹۸۸ء) کے تعلیمی سال میں اس مکتب کو ترقی دے کر عربی کی ایک چھوٹی سی درس گاہ قائم کردی ہے، عربی تعلیم کی ابتداء کرتے ہوئے پہلی دوسری جماعت فی الحال رکھی گئی ہے۔

ق

(۶۹)

مولانا قطب علی مجھوّا امیر (بستی)

مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں: ''مجھوّا امیر ضلع بستی (یوپی) وطن، متوسط درجے کے زمیندار تھے، شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کے بیان کے مطابق علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، سید صاحب نے شیخ اسحاق کو خلافت دینی چاہی تو انھوں نے قلت علم کے عذر کی بناء پر سید قطب علی ہی کا نام لیا تھا، اس دریائے فیض نے بے تکلف فرمایا کہ سید صاحب موصوف کو بھی لے آیئے۔

قطب علی سترہ آدمیوں کو لے کر سید صاحب کے پاس اس زمانے میں تکیہ شریف پہنچے جب آپ حج سے واپس آئے تھے، اس قافلہ میں ان کے چھوٹے بیٹے سید حسن علی بھی شامل تھے، بڑے بیٹے سید جعفر علی صاحبِ ''منظورۃ السعداء'' اس وقت لکھنؤ میں تعلیم پا رہے تھے وہ علالت کے باعث نہ جاسکے۔

سید قطب علی بہت کبیر السن تھے، رائے بریلی سے ایک کوس کے فاصلہ پر زحمتِ سفر کے باعث بیمار پڑ گئے، تکیہ شریف پہنچے تو ان کی مہمانداری سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب کے سپرد ہوئی، ایک مہینہ ٹھہرے رہے پھر سید صاحب نے مولانا عبدالحي سے خلافت کی سند لکھوادی، قصد ہجرت کی شہرت ہوئی تو سید قطب علی بھی معیت کے لیے تیار ہوگئے، سید صاحب نے ضعیفی کے پیش نظر انھیں روک دیا اور فرمایا کہ دعا کرتے رہیے اور ہمارے بلاوے کا انتظار کیجیے، امتثالِ امر میں وہ رک گئے، سید صاحب کی شہادت کی

خبرسن کر بہت روئے، مولوی جعفرعلی نقوی کا بیان ہے کہ باربار فرماتے تھے، کاش! میرا بیٹا (سید جعفرعلی) مرجاتا اور سید صاحب زندہ رہتے، نیز فرماتے کہ سید صاحب کے ہاتھوں غلبۂ اسلام دیکھنے کی آرزو تھی، اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ (مولوی سید جعفرعلی کے بیان کے مطابق) انھوں نے فرمایا۔

تمنابود کہ اللہ تعالیٰ از دست حضرت امیر المومنین

آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر المومنین کے

کفارنگوں سار راازیں دیار پاک کردہ شوکت اسلام

ہاتھوں اس سرزمین کو کافروں سے پاک کرے

معائنہ نماید چوں جناب ممدوح در دنیا نہ ماندند

اور اسلام کو غلبہ دکھائے جب امیر المومنین زندہ نہ رہے

ما ہم اگر مردیم، چہ غم است

تو مجھے موت آجائے تو کیا غم ہے

غالباً ۱۸۴۳ء میں وفات پائی، آخری وقت میں متعلقین کو جو وصیتیں کیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) توحید پر قائم رہو اور سنت کی اتباع کبھی نہ چھوڑو (۲) میرے بعد کسی بدعت کا ارتکاب نہ ہونے پائے، ورنہ قیامت کے دن تم سے مواخذہ کروں گا (۳) میرے مرنے پر نوحہ نہ کیا جائے، نہ سوم یا کوئی دوسری رسم منائی جائے۔"

(جماعت مجاہدین ص: ۱۹۳-۱۹۴)

❁❁❁

ک

(۷۰)

کھدیرو بابا کھنڑ سری بازار (بستی)

(بروایت مولانا عبدالحمید رحمانی بن عبدالجبار)

مولد و مسکن موضع بگھوا علاقہ کھنڑ سری ضلع بستی ہے، ایک چوڑی ساز اور بے پڑھے لکھے ماحول میں پیدا ہوئے، علاقہ میں تندوا گاؤں کی خاص اہمیت تھی اور محمد اسماعیل و عبدالجبار کے خاندان کا قائم کیا ہوا ایک اہم مکتب تھا، اسی میں تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے، کہا جاتا ہے کہ ۷۵ عدد قاعدہ بغدادی پھاڑ ڈالا پھر بھی نہ پڑھ سکے، لیکن قدرت نے ایک ایسی صلاحیت سے نواز دیا تھا جس سے بڑے بڑے علماء بھی محروم رہے، وہ تھی زبان کی تاثیر اور اصلاح و تبلیغ دین اور سلفیت کی ترویج واشاعت کا پختہ عزم اور حوصلہ، چنانچہ علاقہ کھنڑ سری کے تقریبا پچاس گاؤں کو آپ کی کوششوں کے ذریعہ اہل حدیثیت نصیب ہوئی، آپ پرجوش داعی اور خوش اخلاق مصلح تھے، مولانا امرتسری مولانا عبدالتواب غزنوی وغیرہ کے خصوصی فیض یافتہ تھے۔

مہمان نوازی کا یہ قصہ عجیب وغریب ہے کہ ایک مرتبہ اپنے کسی مہمان کو روہو مچھلی خوب کھلایا، بے چارے کو رات ہی میں اسہال شروع ہوگیا، کھدیرو بابا اور ان کی اہلیہ میں اب آپس میں نزاع شروع ہوگیا، ہر ایک چاہتا تھا کہ گندگی وہ صاف کرے، چنانچہ فیصلہ اس پر ہوا کہ زمین کی گندگی کھدیرو بابا صاف کرلیں اور کپڑے کی صفائی اہلیہ کے ذمہ رہے۔

آپ کو شہادت کا بڑا شوق تھا اس کا موقع میسر نہ تھا سوچا علاقہ ہندوؤں کا ہے لاؤ ایک

گائے ذبح کر ڈالیں پھر فساد برپا ہوگا نتیجۃً کسی طرح مارا جاؤں گا اور شہادت نصیب ہوگی۔

یہ سوچ کر گائے ذبح کر ڈالی ایک بڑے ہندو نے بلایا اور کہا کہ تم نے یہ کیا کیا کہا گوشت کھانے کی خواہش تھی تو ذبح کر ڈالا، ہندو نے کہا اچھا جاؤ اب ایسا مت کرنا۔

اس طرح متنوع انداز کے واقعات ہیں جن سے آپ کی دلیری، حق گوئی، فیاضی، عزیمت وہمت، صالحیت اور تبلیغ توحید وترویج مسلک اہل حدیث کے بے پناہ جذبات کا اندازہ ہوتا ہے، علم سے نا آشنا رہنے کے باوجود اتنی زبردست خدمت کی انجام دہی قدرت کی طرف سے آپ کے لیے مخصوص عطیہ تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کو عوام اور خواص میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا سے اٹھاتے وقت بھی ایک ایسی بڑی نعمت سے نوازا جو عام طور پر اتفاقیہ ہی حاصل ہوا کرتا ہے وہ یہ کہ آپ کا انتقال مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور کے زیر اہتمام منعقد اجلاس عام میں ہوا اور ہندوستان کے اکثر اکابر اہل حدیث علماء آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے، اولاد میں پیغمبر نامی ایک صاحبزادے تھے جن کا انتقال کچھ پہلے ہو چکا۔

گ

(۷۱)

میاں گوہر علی اونرہوا (گونڈہ)

میاں گوہر علی ایک اچھے بزرگ تھے، آپ نے گاؤں میں تعلیم کو خوب رائج کیا اور تقریبا تمام بڑے بوڑھے اور ماضی قریب کے (گاؤں کے) پڑھے لکھے لوگ آپ کے شاگرد ہیں ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء میں انتقال ہوا۔

اونرہوا گونڈہ کی چند مشہور اہل حدیث بستیوں میں سے ایک ہے، یہاں مولانا اظہر وغیرہ کی بے لوث خدمات سے دینی رجحانات کا بول بالا ہوا تھا، میرا خیال ہے کہ ان بزرگوں کے اس مشن کو جاری وساری رکھنے کے لیے میاں گوہر علی اور مولانا مصاحب علی وغیرہ نے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور بچوں کی تدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کو اپنا لازمۂ حیات بنائے ہوئے تھے۔

ل

(۷۲)

حافظ لعل محمد بانسی (بستی)

بانسی کے مشہور استاد اور محدث علامہ محمد اسحاق صاحب کے چار خاص تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالغفور بسکو ہری مرحوم فرماتے ہیں، تیسرے شاگرد حافظ لعل محمد صاحب تھے، آپ شیفتۂ توحید تھے، مولانا بانسوی کے بجائے آپ نے خوب تبلیغی کام کیا، آپ کی بات ایسی پرتاثیر تھی کہ بعض بعض عالموں کو بھی غفلت سے ہوشیار کر دیا کرتی تھی، اللہ تعالیٰ حافظ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ آمین!

(اہل حدیث امرتسر مجریہ ۱۶/۳/۱۹۲۸ء)

(۷۳)

لیاقت حسین مرغہوا (بستی)

(بروایت ڈاکٹر سید احمد بن حکیم جمیل احمد بن مولانا لیاقت حسین)

والد کا نام چودھری امیر احمد اور مرغہوا نزد اٹوا بازار آبائی وطن، آپ کے والد بڑے زمین دار چودھری اور بڑے متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے، ان کا معمول تھا کہ فجر بعد بلا قرآن کی تلاوت کیے مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے، چوں کہ گائے بھینس کافی تھیں اور اپنے بچوں کی صحت کا خاصا خیال تھا، اس لیے چرواہوں سے کہہ دیا تھا کہ انھیں خوب دودھ پلائیں اور جب تھوڑا پییں تو ہمیں اطلاع دیں تاکہ ہم انھیں مار مار کر ٹھیک

کردیں، دودھ پلانے کے سلسلے میں اس سختی کا نتیجہ تھا کہ آپ اور مولانا دیانت اللہ (جن کا ذکر اپنی جگہ پر گزرا) روز صبح شام چراگاہ جاتے اور چرواہے انھیں دھمکیاں دے دے کر دودھ پلاتے ، یہی وجہ تھی کہ آپ بڑے قوی، تنومند اور پہلوان ہوئے ، حیرت ہے کہ دوڑنے میں بڑی زبردست مہارت رکھتے تھے، جب پڑھنے لکھنے کے لیے بسکوہر مولانا اللہ بخش کی خدمت میں جانے لگے، تو اپنے بیان کے مطابق مرغھوا سے بسکوہر (دونوں کے درمیان تقریبا پندرہ کیلومیٹر کا فاصلہ ہوگا) تک کا سفر بیچ میں ٹھہرے بغیر دوڑتے ہوئے طے کرتے تھے، یہی طریقہ صبح وشام روزانہ جانے اور واپس آنے کا تھا، اس ریاضت اور تعلیم میں آپ کے ساتھ مولانا دیانت اللہ سمراوی (اٹوا) بھی ہوتے تھے، زمانہ طالب علمی کی تفصیلات سردست معلوم نہیں ہوسکیں، البتہ ایک ڈائری آپ نے تیار کر رکھی تھی، جس میں اس سلسلے کی بعض معلومات ملنی ممکن ہے وہ مولانا رفیق احمد سلفی کے پاس تھی میری نظر سے گزری ہے آپ نے کافی حد تک تعلیم مولانا اللہ بخش سے بسکوہر میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری سے غالبًا بونڈیہار میں مولانا محمد سعید محدث بنارسی سے بنارس میں، مولانا محمد بشیر سہسوانی سے مدرسہ حاجی علی جان میں مولانا عبدالوہاب صدری سے دارالکتاب والسنۃ دہلی میں اور شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری سے بھوپال میں استفادہ کیا اور سند حدیث لی، بتایا جاتا ہے کہ کافیہ آپ کو ازبر تھی (محل نظر)

فراغت کے بعد درس وتدریس کا شغل نہیں رکھا، کیونکہ زمیندار تھے ،اس کی بھی حفاظت کرنی ضروری تھی، البتہ دعوت وتبلیغ اور ایثار وقربانی نیز تقویٰ طہارت میں بڑا بلند رتبہ رکھتے تھے آپ کا عام شغل دعوت وتبلیغ تھا، چنانچہ علاقے کے دور دراز مقامات میں جاجا کر تبلیغ کیا کرتے تھے، آپ اچھے واعظ اور بڑے مقرر تھے، چنانچہ آپ کو مولانا امرتسری نے ''طوفان میل'' کا لقب دے رکھا تھا، جب مجمع جلسہ گاہ سے اٹھنے لگتا تو مولانا

امرتسری کہتے کہ طوفان میل کو بلاؤ اس سے دعوت و تبلیغ اور مقررانہ صلاحیت کے علاوہ بڑے علماء سے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

آپ بہت زیادہ فیاض طبیعت بھی تھے، آپ کی سخاوت اور ایثار و قربانی کی ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے جس نے علاقہ کے لوگوں کو اب تک حیرت میں ڈال رکھا ہے اور بہتوں کو اس پر رشک آیا ہے، ہوا یہ کہ آپ جب فارغ ہوئے تو آپ کے ہم سبقوں میں ٹونک کے ایک آدمی جعفر علی نامی تھے، یہ بے چارے غریب گھرانے کے تھے، آپ انھیں فراغت کے بعد اپنے ساتھ اپنے گھر لائے اور ٹھیک وہ منظر پیش کرنے کی کوشش کی جو انصار نے مہاجرین کے ساتھ مدینہ طیبہ میں کی تھی، آپ نے ان کو ایک بھائی کے درجہ میں رکھا اور تمام بھائیوں کا اور ان کا برابر، برابر حصہ لگایا، کھیت دیا، اسباب و اغراض دیے، اپنے پیسے سے اپنے گھر کے بازو میں ایک گھر بنوادیا، مولانا جعفر علی ٹونکی اس طرح مرغہوا کے مستقل باشندے ہوگئے، یہیں ان کو اولاد ہوئی جیسا کہ جعفر صاحب کے ترجمہ میں گزرا، یہی وجہ تھی کہ مولانا ممتاز علی صاحب آپ کو ''انصاری'' کہا کرتے تھے، مولانا لیاقت کے ابن الحفید ڈاکٹر سید احمد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا ممتاز علی صاحب سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہاں مکان ہے؟ بتایا، مرغہوا، پوچھا مولانا لیاقت حسین انصار کے تم کون ہوتے ہو، میں نے بتایا کہ ان کا حفید ہوں، آپ مصافحہ کر کے میرا ہاتھ پکڑے رہے، روتے تھے اور کہتے جاتے تھے اللہ کا کرم ہے کہ انصار کے پوتے سے میری ملاقات ہوگئی اور دیر تک روتے رہے، نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی کی طرف سے اٹھ روپیہ ماہانہ آپ کو اور آپ کے رفیق درس مولانا جعفر صاحب کو ملتا تھا، آپ نے اپنے حصہ کی یہ رقم، جعفر صاحب کو مستقلا ہبہ کر دی اور کہا کہ آپ اپنے حصہ سے یہاں کی ضروریات پوری کریں اور میرا حصہ اپنے گھر بھیج دیا کریں تا کہ گھر کے افراد بھی پریشان حالی سے بچے رہیں۔

آپ کو یادداشتیں قلم بند کرنے اور انگریزی سیکھنے کا بھی شوق تھا، میری (مؤلف تراجم) نظر سے آپ کی تین ڈائریاں گزری ہیں، ایک میں انگریزی مفردات و جملوں کو اردو خط میں لکھا ہے اور معانی بھی درج کیے ہیں، معلوم پڑتا ہے کہ انگریزی بولنا سیکھ رہے تھے، دوسری اور تیسری ڈائری ایک مربوط چیز کا دو حصہ ہیں، پہلے حصہ میں انبیائے کرام کے احوال و واقعات، جگہ جگہ قرآن و حدیث کی تشریح اور صحابۂ کرام و خلفائے راشدین کے احوال وغیرہ درج ہیں، جو واعظین کے لیے مفید اور درس عبرت سمجھ کر تحریر کی گئی ہے، دوسرے حصہ میں اپنے احوال و واقعات ابتلاء و آزمائش اور گونڈہ و بستی کی جیلوں میں گزری عبرت آموز داستانیں ہیں، خط صاف ستھرا اور بہتر ہے، آپ کا انتقال اکتوبر ۱۹۵۳ء میں مرغہوا میں ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔

م

(۷۴)

مولانا محفوظ الرحمٰن بونڈیہار (گونڈہ)

مولد و مسکن بونڈیہار، والد کا نام مولانا زین اللہ، تاریخ پیدائش ۱۹۴۸ء ابتدائی تعلیم بونڈیہار، کونڈوں اور مدرسہ ندائے اسلام کلکتہ میں پائی، پھر فیض عام مئو میں عربی کی پہلی جماعت سے تیسری جماعت تک پڑھا، اس کے بعد دیوبند گئے اور پانچ سال وہاں پڑھ کر ۱۹۶۸ء میں فراغت حاصل کی، ۱۹۶۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے فضیلت کیا اور پھر مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں دو سال تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، بعد میں ایک سال مدرسہ انوار العلوم پرساعماد میں پڑھایا۔

اب جامعہ اسلامیہ پہنچنے کے وسائل فراہم ہو چکے تھے، چنانچہ شوال ۱۳۹۲ھ میں مدینہ پہنچے اور کلیۃ الدعوۃ میں داخلہ لیا چار سالہ کورس ۱۳۹۶ھ میں مکمل کیا اور ساتھ ہی جامعہ کے **قسم الدراسات العلیا** میں شعبۃ السنۃ میں داخلہ مل گیا، ۱۴۰۰ھ میں ڈاکٹریت کی ڈگری حاصل کی، ایم.اے. میں آپ نے علامہ ذہبی کی "**تلخیص العلل المتناهیه فی الأحادیث الواهیه**" کی تحقیق کی تھی اور پی.ایچ.ڈی. میں علامہ دارقطنی کی کتاب العلل کا ایک حصہ تحقیق کر کے پیش کیا تھا، اب اس کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ آپ کی تالیفات درج ذیل ہیں:

(۳) الإرسال فی الحدیث (تالیف) (۴) فهرس الکامل لإبن عدی (تالیف) (۵) کتاب الرؤیا لإبن النحاس (تحقیق: مطبوع مجلۃ الجامعۃ الاسلامیہ

ربیع الآخر وذی الحجہ ۱۴۰۲ھ)(۶) مسند بزار (۷) مسند عمر بن الخطاب لأبی بکر الفقیہ النجار (۸) مسند أبی بکر لإ بن الصاعد (۹) **المعجم المفھرس لرواۃ الحدیث**

آخری کتاب زیر تالیف اور بقیہ تینوں کتابیں زیر تحقیق ہیں۔

آپ نے ڈومریا گنج میں فیض عام لائبریری کے قیام میں ڈاکٹر عبدالباری کا تعاون کیا ہے اور جماعتی نشاطات میں برابر دلچسپی لیتے رہے ہیں۔

ڈاکٹریٹ کرتے ہوئے جامعہ اسلامیہ کے قسم المخطوطات میں ملازم رہے ہیں، اس وقت یہ ملازمت ختم ہوگئی ہے اور اب دارالافتاء ریاض کی طرف سے دبئی میں بسلسلۂ دعوت وتبلیغ قیام ہے، آپ ذہین، محنتی اور خوش اخلاق ہیں، مطالعہ گہرا اور وسیع ہے۔

(۷۵)

مولانا محمد سمرا (بستی)

(بروایت مولانا عبدالمبین منظرؔ)

ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم جھنڈانگر میں مولانا عبدالغفور بسکوہری اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب بجواوی وغیرہ سے حاصل کی، اس کے بعد رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا، یہاں ایک سال تعلیم حاصل کی، طلبہ رحمانیہ کی عام ہڑتال اور اسٹرائک کے سبب وہاں سے واپس ہوئے، اس کے بعد فیض عام مئو گئے، بعد میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں مولانا محمد منیر صاحب سے سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد کچھ دنوں اپنے اطراف وجوانب میں تبلیغی واصلاحی خدمات انجام دیتے رہے پھر ایک سال مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمت بھی کی اور وہیں بیمار ہوکر گھر آئے اور جوانی ہی میں انتقال کر گئے، موصوف بہت فصیح اللسان تھے، زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ باتیں دل میں اتر جاتیں آپ سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں۔

(۷۶)

مولانا محمد اسحاق بانسی (بستی)

مولانا محمد اسحاق صاحب ضلع بستی کے مشہور قصبہ بانسی کے رہنے والے تھے، بتایا جاتا ہے کہ آپ نے جونپور میں تعلیم پائی، وہاں بارہ سال تک رہے، اس درمیان میں جتنے خطوط گھر سے ملے سب کو ایک مٹکے میں رکھتے گئے اور محض اس وجہ سے کھول کر نہیں پڑھا کہ کہیں تعلیم کو چھوڑ کر گھر نہ جانا پڑے، بارہ سال پورا کر کے خطوط پڑھا اور گھر آئے، آپ غالباً مولانا جعفر علی نقوی کے ہم عصر تھے۔

آپ کی بہت سی کرامتیں ہیں، آپ بانسی کے علمائے اہل حدیث کے جداعلیٰ اور اس علاقے کے سب سے پہلے اہل حدیث عالم اور محدث تھے، آپ اپنے یہاں کی جامع مسجد کے سب سے پہلے اہل حدیث امام ہیں، آپ سے یہ شروع ہوا اور اب تک جامع مسجد اہل حدیث بانسی میں اہل حدیثوں ہی میں سے امام ہوتا ہے۔

آپ کے بارے میں مولانا عبدالغفور بسکوہری فرماتے ہیں ''توحید وسنت کی حمایت میں شب وروز کوشاں رہتے تھے، آپ میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا، آپ کا علمی تجربہ بھی بڑھا ہوا تھا، درس وتدریس کا کام شوق سے کرتے تھے، چنانچہ آپ کے علمی غذا کی پروردہ ایسی چند ہستیاں تیار ہوئیں جو مخلوق کی ہدایت کا نمونہ بنیں۔'' [۱]

اس کے بعد آپ نے مولانا عباد اللہ بستوی، مولانا احمد علی گونڈوی، حافظ لعل محمد بانسوی اور مولانا عظیم اللہ نیپالی کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اہل حدیث امرتسر ۲۳/رمضان ۱۳۴۶ھ

(۷۷)

مولانا محمد اسرائیل اونرہوا (گونڈہ)

مولد و مسکن اونرہوا ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں پر پائی، پھر جامعہ رحمانیہ بنارس میں پڑھتے رہے، مولانا نذیر احمد رحمانی کے انتقال کے بعد مولانا عبدالجلیل سامرودی سے کسبِ فیض کا خیال پیدا ہوا اور سامرود ضلع سورت (گجرات) پہنچے، حدیث کا علم آپ سے حاصل کیا، وطن واپس آئے تو کسی عربی درس گاہ میں جم کر نہ بیٹھ سکے کبھی کسی مکتب میں تعلیم دی کبھی لکڑی کا کاروبار کیا اور کبھی گھر پر ہی بیٹھ رہے، آپ سے میری ملاقات ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم شکراوہ (میوات، ہریانہ) میں ہوئی، میں یہاں اس سال مدرس تھا اور آپ بھی بحیثیت مدرس تشریف لائے تھے، ایک سال یہاں گزرا اور آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے شکراوہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، اس کے کچھ دنوں بعد مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں غالباً دو سال تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، پھر کچھ دنوں معہد التعلیم الاسلامی (تاسیس رمضان ۱۴۰۰ھ) سے متعلق رہے، یہاں آپ تدریس کے بجائے انتظامی امور سے متعلق رہے، ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۴ء تک گھر پر ہی رہے، آپ سے میری آخری ملاقات ۱۹۸۳ء میں ہوئی تھی، آٹھ سالہ تعلقات اور تقریبا تین سالہ مصاحبت کا تأثر یہ ہے کہ آپ نہایت خلیق، ملنسار، دردمند انسان تھے، تبلیغ دین کا کافی جذبہ تھا، وعظ و تقریر میں اچھی دسترس تھی، علمی صلاحیت بھی متوسط اور لائق اعتماد تھی، آپ ذہین اور دوربیں تھے، معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، غصہ کچھ زیادہ آتا تھا مگر جلد ہی فرو ہو جاتا تھا، میں نے اس طویل مصاحبت میں کینہ اور بغض وحسد جیسے امراض خبیثہ سے آپ کے دل کو پاک وصاف پایا، میں آپ سے چھوٹا تھا مگر پھر بھی آپ نے شاید ہی کبھی میری بات ٹالی ہو، حق بات خواہ ان کے مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ

ہو ضرور منوالیتا تھا، ۷۹۔۱۹۷۸ء کی بات ہے مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں ہم دونوں تھے، میں ان کے کمرے میں گیا، ان کے ہاتھ میں کالے رنگ کا ایک نہایت ہی نفیس کنگھا تھا مجھ کو کیا سوجھی کہ میں نے ان سے لیا اور بے اختیار کہنے لگا بہت اچھا ہے دل کہتا ہے توڑ دوں یہ کہتے کہتے اسے بیچ سے توڑ دیا، وہ کچھ دیر کے لیے برہم ہوئے، بڑا افسوس کیا، میری اس حرکت پر حیران بھی ہوئے اور بتایا کہ یہ میری بیوی ام حبیبہ کی دی ہوئی تھی، میں نے معذرت کی اور کہا کہ اس کی خوبصورتی دیکھ کر مجھے اسے توڑنے کے سوا کوئی چیز سمجھ میں نہیں آرہی تھی، خیر بات آئی گئی ہوگئی۔

۱۹۸۴ء میں جب میں نے اچانک سنا کہ مولانا محمد اسرائیل صاحب کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس کے غم میں مولانا کا کلیجہ دولخت ہوگیا اور وہ انتقال کر گئے، تو سنتے ہی کنگھے والے موہوم عملی خواب بیداری کا واضح تعبیری منظر میری نظروں کے سامنے پھر گیا، اللہ غریق رحمت کرے، آپ کے بھائی کا انتقال یکم جنوری کو ہوا تھا اور آپ کا ۱۰؍ جنوری ۱۹۸۴ء کو ہوا۔

(۷۸)

مولانا سید محمد اظہر بہاری اُدئی پور (گونڈہ)

مولانا عبدالغفور بسکوہری فرماتے ہیں ”مولانا (اللہ بخش) بسکوہری کے ہم عصر جناب مولانا سید محمد اظہر صاحب مرحوم ہیں، آپ بہار کے رہنے والے تھے، کسی وقت اس علاقہ میں تشریف لائے، آپ کی بزرگی و دینداری پر اکثر لوگ فریفتہ ہوکر آپ سے بیعت ہوگئے اور اس تعلق کی بناء پر ان کی نگرانی کی اور دینداری پر آمادہ رکھنے کے لیے آپ نے ساری عمر اس علاقہ میں صرف کردی، آپ نہایت شکیل وقدآور گندمی رنگ تھے اور مولانا عبدالحق صاحب محدث بنارسی کے خاص شاگردوں میں سے تھے، سنت

کے سچے عاشق تھے، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا غرض کُل کام میں سنت کا بہت خیال رکھتے تھے، آپ کو جزئیات مسائل بہت مستحضر تھے علاوہ کتبِ ستہ کے نیل الاوطار وزادالمعاد وکشف الغمہ وغیرہ کتب حدیث کے گویا حافظ تھے، آپ کا کتب خانہ بے نظیر کتابوں سے بھرا رہتا تھا، آپ کے ذریعہ سے علاقہ میں سنت کا بہت کچھ چرچا ہوا، اکثر مرد وعورت آپ کی ذاتی کوششوں سے آباء واجداد کے رسوم کو ترک کر کے سنت پر عامل ہو گئے اور آج اکثر اہل حدیث مولانا کی یادگار باقی ہیں، باوجود تقریباً ایک سو برس کے عمر پانے کے آپ کے ہوش وحواس میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ (ماخوذ از اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۳ رمضان ۱۳۴۶ھ)

آپ نے گونڈہ کے ادئی پورنامی گاؤں متصل کوّاپور میں اقامت اختیار کی تھی علاقے کے مسلمانوں پر آپ کی ایسی گرفت تھی کہ آپ کی اجازت کے بغیر لڑکی اور لڑکے کا رشتہ طے نہیں ہوسکتا تھا، بارات وغیرہ رسومات پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے، بڑے بڑے زمیندار آپ کے سامنے آنے اور جواب دہی کرنے سے خائف رہا کرتے تھے، بڑا اچھا اور زبردست کتب خانہ تھا، غالبًا مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی نے اپنے خطبۂ استقبالیہ (برائے اجلاس عام نوگڑھ منعقدہ ۱۶۔۱۹ / مارچ ۱۹۶۱ء، ص: ۱۰) میں جن کتابوں کے سراج العلوم جھنڈانگر منتقل ہونے کا ذکر کیا ہے، ان میں آپ کی کتابیں بھی شامل ہیں۔

مولانا محمد اسحاق رحمانی گونڈوی کا بیان ہے کہ آپ غیر شادی شدہ اور پہلوان تھے، ایک پہاڑی کو جو بہت مشہور تھا ایک لمحہ میں پچھاڑ دیا تھا، قرب وجوار میں کوئی شادی اسی وقت ہوتی تھی جب آپ کا دستخط ہوجائے، آپ کیمیا گر تھے، پالکی پر چلتے تھے اور پالکی اٹھانے والوں کو پیسہ پہلے ہی دے دیتے تھے۔

(۷۹)

مولانا محمد اقبال بونڈ یہار (گونڈہ)

بروایت خود ''۱۹۲۰ء میں بونڈ یہار میں ولادت ہوئی، مولانا محمد یٰسین سے بونڈ یہار ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، صرف ۲۹؍دن میں قرآن شریف ناظرہ ختم کرلیا، دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں دوسری جماعت سے فراغت تک رہے، فراغت ۱۹۳۹ء میں ہوئی پھر نومبر ۱۹۳۹ء سے بونڈ یہار میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔''

شروع سے اخیر عمر تک مدرسہ سراج العلوم بونڈ یہار کے ناظم و مہتمم ہیں اور مدرسہ اور علاقہ نیز جماعت اہل حدیث کی روح بھی، مولانا عبدالسلام مولانا سے روایت کرتے ہیں کہ میں زیادہ محنت تو نہیں کر پاتا تھا مگر اللہ رب العزت کا مجھ پر خاص فضل و کرم تھا کہ علمی مباحث مجھے جلد سمجھ میں آجاتے اور حافظہ میں تادیر محفوظ رہتے، دہلی کے مشاعروں میں ہم لوگ سامع کی حیثیت سے شریک ہوتے تو مجھے اکثر شعراء کے کلام یاد ہوجاتے، اللہ پاک نے آپ کو ذہانت وفطانت کے ساتھ ہی ساتھ صلاح وتقویٰ کا وافر حصہ بھی عطا فرمایا تھا، اسی وجہ سے اساتذۂ کرام اور مہتمم مدرسہ کی نگاہ میں معزز رہے، امتحانات وغیرہ میں نمایاں کامیابی پانے کی وجہ سے ہمیشہ انعامات سے نوازے جاتے رہے۔

آپ اپنا کام خود کرتے تھے، اللہ پاک نے آپ کو قوت بازو سے بھی خوب نوازا تھا اور ساتھ ہی ساتھ شجاعت وبسالت کا جوہر بھی ودیعت فرمایا تھا، ایک موقع پر ایک ظالم وسرکش کے پنجۂ ظلم واستبداد سے اللہ کے بندوں کو آرام دینے کے لیے تن تنہا رات کی تاریکی میں چڑھتے ہوئے دریائے راپتی کے تیز دھاروں میں کود پڑے اور تیر کر پار ہوئے، مرحوم نور اللہ مرقدہٗ سنت کے شیدائی، صلاۃ باجماعت کا اہتمام کرنے والے، شب بیدار، انتہائی ملنسار، ہنس مکھ، قوم وملت کا بے پایاں درد رکھنے والے، غرباء

ومساکین وطلبہ کا خیال رکھنے والے، انتہائی متواضع، سادگی پسند، اعلیٰ سمجھ بوجھ کے مالک، کامیاب مصلح ومدبر، امانت دار، قرآن مجید سے شغف رکھنے والے عالم باعمل، حرص وطمع سے پاک اور جملہ صفات حمیدہ واخلاق حسنہ سے متصف تھے، اسی وجہ سے چھوٹے بڑے مردوزن مسلم اور غیر مسلم اپنے اور پرائے علماء وعوام ہر ایک کی نگاہ میں بڑے محترم ومعزز تھے، سب لوگ آپ سے انتہائی عقیدت ومحبت سے ملتے، قرب وجوار میں ''بڑے مولانا صاحب کے نام سے یاد کیے جاتے۔''

آپ کا انتقال ۱۳رذی قعدہ ۱۴۰۲ھ (۳۱راگست ۱۹۸۲ء) کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔

(۸۰)

مولانا محمد حسن رحمانی اونرہوا (گونڈہ)

مولدو مسکن اونرہوا ضلع گونڈہ ہے، والد کا نام میاں گوہر علی جو گاؤں بھر کے معلم رہے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد میاں گوہر علی سے حاصل کی، پھر مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں داخلہ لیا اور آخر میں دہلی کا رخ کیا اور دارالحدیث رحمانیہ میں پڑھتے رہے، تاآنکہ ۱۹۳۹ء میں فراغت حاصل کی، گھر واپس آئے تو کاشت کاری اور تجارت ذریعۂ معاش اختیار کیا اور دعوت وتبلیغ لوجہ اللہ کرتے رہے، اخیر عمر میں ۱۵۔۱۶رسال تک گاؤں کے مکتب میں بچوں کو پڑھاتے رہے، اوائل ۱۹۷۷ء یا اواخر ۱۹۷۶ء میں انتقال فرمایا۔

(۸۱)

مولانا محمد حسین ترکلہا (نیپال)

(براویت مولانا عبدالغفار صاحب مڑلا)

آپ کا مکان چترا تھا، وہیں سے پڑھنا شروع کیا، مدرسہ یوسف پور میں مولانا

نور اللہ صاحب سے علم حاصل کیا، پھر دہلی جا کر میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کسب فیض کیا، چند سال کے بعد تر کلہا میں سکونت اختیار کر لی، وہیں سے مدرسہ یوسف پور میں تدریس کا کام کیا، بعد میں تر کلہا کے اندر خود مدرسہ کھولا اور گاؤں ہی پر پڑھاتے رہے، آپ کے علاقہ میں تبلیغی دورے کا کام آپ اور آپ کے اساتذہ کے ذریعہ کافی عروج پر تھا، آپ زبردست عالم اور تہجد گزار بزرگ تھے، لباس نہایت سادہ ہوتا تھا، اہل حدیثیت کی تبلیغ آپ کے ذریعہ خوب ہوئی۔

آپ کے شاگرد مولانا عبدالرحیم حسن پوری کا بیان ہے کہ مولانا محمد حسین (بھٹ پرا کے مدرسہ میں) بمشکل ایک سال رہے، جب وہ گھر جانے لگے تو راقم الحروف (عبدالرحیم) اور مولوی عبدالمجید مولانا کے ساتھ ہو گئے اور مولانا کے مکان پر چھ سات ماہ ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

مولانا اس علاقہ میں واحد شخصیت کے مالک تھے، دعوت و تبلیغ میں دور دور تک جاتے جس میں زیادہ وقت گزرتا۔

آپ کا نام مولانا عبدالغفار ''احمد حسین'' بتاتے ہیں اور آپ کے شاگرد مولانا عبدالرحیم رحمانی ''محمد حسین'' میں نے شاگرد کی روایت کو زیادہ معتبر سمجھ کر آپ کا نام محمد حسین مانا ہے آپ کا انتقال لگ بھگ ستر برس کی عمر میں ہوا۔ (تفصیلی حالات کی تلاش ہے)

(۸۲)

مولانا محمد حنیف رحمانی موہن کولہ (بستی)

محمد حنیف نام، موہن کولہ نزد شہرت گڑھ مولد و مسکن، آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی نہ ہی کسی سے زیادہ معلومات حاصل کر سکا البتہ یہ سننے میں آیا ہے کہ آپ عرصہ تک مدرسہ بحر العلوم انتری بازار کے محاسب اور بعد میں ایک زمانے سے اب تک اس کے

صدر ہیں۔

کچھ ہی دنوں پہلے (۱۹۸۳ء) (نیپال) کپل وستو کے مغربی جانب ایک بڑے گاؤں مہراج گنج میں ایک عربی ادارہ قائم کر رکھا ہے اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

آپ جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ التحصیل ہیں، علمی لیاقت اور سوجھ بوجھ اچھی ہے، کچھ عرصہ تک جھنڈا نگر اور شنکر نگر میں تدریسی خدمات انجام دی ہے، عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوگی۔

(۸۳)

مولانا محمد زماں رحمانی انتری بازار (بستی)

نام محمد زماں، والد کا نام نبی احمد، مولد و مسکن انتری بازار شہرت گڑھ بستی، تاریخ پیدائش صحیح معلوم نہیں، البتہ اندازہ ہے کہ ۱۶۔۱۹۱۵ء سے پہلے آپ پیدا ہوئے، بچوں کی تعلیم کے لیے انتری بازار کے جن تین آدمیوں نے مولانا عابد علی کو انتری بازار آنے کی دعوت دی تھی اور ان کو وہاں بسایا تھا ان میں سے ایک آپ کے والد دوسرے داہومیاں اور تیسرے قاسم علی خیاط تھے، ان سبھوں نے انتری بازار میں علم دین کا چراغ جلانے کے لیے مولانا عابد علی کا انتخاب کیا تھا، ان میں سے سب سے زیادہ فائدہ غالبًا نبی احمد ہی نے اٹھایا، کیوں کہ ان کے لڑکے محمد زماں نے مولانا سے کافی حد تک استفادہ کیا اور جو پودا آپ نے بحر العلوم کی شکل میں لگائی تھی اس کی آبیاری کی۔

بہر حال آپ کی ابتدائی تعلیم گاؤں ہی پر ہوئی، مولانا عابد علی مرحوم سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر آپ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر چلے گئے اور چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کرتے رہے، آپ کا بیان ہے کہ جھنڈا نگر میں تعلیم کے دوران میں نے

عبدالرزاق سمراوی سے تقریر اور وعظ کے سلسلے میں کافی استفادہ کیا، گو مدرسے سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا، پھر بھی وہ آتے تھے تو مجھ سے دیر دیر تک بحث ومباحثہ کرتے اور تقریر کرنی سکھاتے تھے، جھنڈا نگر کے اندر آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن بجواوی مشہور عالم فرائض اور مولانا عبدالغفور بسکوہری وغیرہ شامل ہیں۔

سراج العلوم میں چھ جماعتوں تک تعلیم پانے کے بعد فراغت کے لیے دارالحدیث رحمانیہ آئے اور دو سال تک تعلیم پاکر ۱۹۳۶ء میں سند فراغت حاصل کی۔ [1]

فراغت کے بعد سراج العلوم جھنڈا نگر میں چھ، سات سال تک درس دیتے رہے، اس کے بعد انتری بازار آگئے اور سات سال تک مدرسہ بحر العلوم انتری بازار کی تعمیر و ترقی اور اس کے اندر درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، بحر العلوم کو گاؤں کی جامع مسجد سے لے جاکر گاؤں کے شمال میں مستقل عمارت دی، مدرسہ اور اس کے ساتھ کی مسجد کی بنیاد ڈلوادی، اگر مدرسہ بحر العلوم کی تاریخ چند جملوں میں کہی جائے تو اس طرح کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بحر العلوم کو مولانا عابد علی نے وجود بخشا اور اہم ادارہ بنایا، مولانا محمد زماں نے اسے بام عروج پر پہنچایا اور گاؤں کے اختلافات نے اس کا نام ونشان مٹا دیا، آپ سات سال تک گاؤں کے مدرسہ کو سنبھالنے کے بعد دارالعلوم ششہنیاں میں چلے گئے اور تین سال تک رہے، یہاں درس و تدریس سے زیادہ تبلیغ کا کام کرتے رہے، اس کے بعد لوٹ کر انتری بازار آگئے اور کئی سال تک بحر العلوم کی خدمت کی، غالباً یہ سلسلہ ۱۹۶۹ء کو چھوڑ کر جس میں آپ جھنڈا نگر میں تھے ۱۹۷۲ء تک جاری رہا، پھر آپ جھنڈا نگر گئے اور وہاں ۱۹۷۵ء تک درس دیتے رہے، ۷۷، ۱۹۷۶ء

(۱) اپنے بیان کے مطابق جب کہ آپ کا نام دسمبر ۱۹۳۳ء مطابق شعبان ۱۳۵۲ھ کے محدث میں "تاریخ دارالحدیث رحمانیہ" کے اندر رحمانی علماء کے تحت "مدرسہ عربیہ جھنڈا نگر میں مدرس دکھایا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ شعبان ۱۳۵۱ھ میں یا اس کے پہلے ہی فارغ ہو چکے تھے۔

میں آپ ایک سال کے لیے ضلع گونڈہ کے ایک گاؤں ''گلرہا'' میں چلے گئے اور وہاں مدرسے میں پڑھاتے رہے، لیکن صحت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی، اس لیے آپ گھر بیٹھ گئے اور اب اللہ اللہ پر قناعت کرتے ہیں، آپ بہت ملنسار، حلیم الطبع اور محنتی تھے، چند دنوں پہلے جب آپ کے قویٰ نے جواب نہیں دیا تھا تو گھر کا کون سا کام تھا جسے آپ خود نہ انجام دیتے رہے ہوں، صلاحیت ایسی تھی کہ کافی وقت گھریلو کاروبار میں لگے رہنے کے باوجود طلبہ کو ایسے انداز میں پڑھاتے تھے کہ طبیعت خوش ہو جاتی، آپ نے پوری عمر درس و تدریس ہی میں گزار دی اور لگ بھگ ۴۶ سال تک بستی، گونڈہ و نیپال کے مختلف علاقوں کے طلبہ کو فیض پہنچاتے رہے تقریباً نصف صدی تک درس و تدریس میں مشغول رہنے ہی کا نتیجہ ہے کہ بستی و گونڈہ اور نیپال میں آپ کے شاگردوں کا جال بچھا ہوا ہے، ذیل میں آپ کے چند اہم تلامذہ کی فہرست دی جاتی ہے، جن سے آپ کے شاگردوں کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

مولانا محمد حسن رحمانی، مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا عبدالصبور رحمانی، مولانا محمد اقبال رحمانی گونڈوی، مولانا عبدالرحمٰن نکھتروی، مولانا عبدالمبین منظرؔ، مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عبدالحمید شفیقی اور مولانا عبدالحنان فیضی وغیرہ۔

آپ نے درس و تدریس کے علاوہ تقریر کے نرالے انداز سے تبلیغ دین کے سلسلے میں اپنے علاقہ میں اہم رول ادا کیا اور قرب و جوار میں گھوم گھوم کر اصلاح کی، آپ کی نرینہ اولاد میں مولانا عبدالحنان فیضی ہیں، جو چار سال تک مرکزی دارالعلوم بنارس میں تعلیم دینے کے بعد خرابیٔ صحت کی وجہ سے ۷۸، ۱۹۷۷ء کے تعلیمی سال سے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں پڑھا رہے ہیں۔

آپ کا انتقال ۱۶/اپریل ۱۹۷۸ء میں وطن میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۸۴)

حافظ محمد سلیم بانسی (بستی)

(بروایت ماسٹر عزیز الحق بانسوی)

آپ بانسی کے رہنے والے تھے، نابینا تھے مگر حافظہ بلا کا تھا، تعلیم کے بارے میں معلومات نہیں، ایسا لگتا ہے کہ آپ نے کہیں پر باقاعدہ عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی تھی اور حفظ کیا تھا، آپ مکتب کے بچوں کا پورا کورس تنہا پڑھاتے تھے، جو نہایت حیرت انگیز چیز مانی جاتی ہے، تمام بچوں پر آپ کا جو کنٹرول تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا، قرآن اور اردو الفاظ کے تلفظ میں کسی غلطی کو برداشت نہیں کرتے تھے، بڑے سلیم الذوق، نفاست پسند اور سفید پوش تھے، تقریر و تحریر دونوں کا ملکہ تھا اور آپ کو ایک اچھا خطیب مانا جاتا تھا، عربی کی عبارتیں حوالے کے ساتھ املاء کراتے تھے، آپ نے ایک کتاب ''هداية المسلمين'' املاء کرائی تھی جس میں شرک و بدعت کی تردید تھی مگر نہ تو پوری ہوسکی نہ چھپ سکی، آپ صاحب ورع و تقویٰ اور شب زندہ دار تھے، آپ کی وفات ۱۹۶۱ء کے بعد کسی وقت ہوئی۔

(۸۵)

مولانا محمد صدیق سمرا (بستی)

تھانہ اٹوا کے پاس موضع سمرا آپ کا وطن ہے، مولانا اللہ بخش بسکوہری سے استفادہ کیا اور بھوپال میں کسب فیض کے لیے رخت سفر باندھا، آپ کا نام مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس کے مستفیدین میں میں نے کہیں دیکھا ہے، البتہ یہ خیال نہیں کہ آپ مولانا سیف بنارسی کے رفقاء درس میں ہیں یا تلامذہ میں، غالب گمان یہ ہے کہ آپ

کو رفیق درس کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

آپ ضلع گونڈہ کے مقام نبھونی اور ہرہٹہ وغیرہ کی طرف دعوت وتبلیغ کا شغل رکھتے تھے، آپ نے لکھوری (گونڈہ) کے پنچ عبدالغفور کے یہاں بھی عرصہ تک قیام کیا اور دعوت واصلاح کا کام کرتے رہے۔

(۸۶)

مولانا محمد صدیق لدوا (بستی)

مولانا محمد صدیق صاحب ابن چان متوطن لدوابرڈ پور، بستی تقریباً ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مقامی طور پر اور فارسی کی مکمل تعلیم جناب میاں نور محمد صاحب پریاوی بستوی سے حاصل کی، عربی کی ابتدائی تعلیم بھٹ پرا بستی میں بعدہ جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب بھینسا گاہن و مولانا محمد اسماعیل صاحب (بھینسا گاہن نیپال) سے حاصل کی اور آخر میں مدرسہ حاجی علی جان دہلی میں داخل ہوکر حضرت مولانا عبدالسلام بستوی سے فراغت حاصل کیا، فراغت کے بعد علاقہ مرچوار نیپال میں ۲۰ر سال تک تعلیم وتبلیغ کا کام انجام دیتے رہے، حکومت نیپال کی طرف سے مسلمانوں کو اپنے دینی مذہب کے اشاعت پر مکمل آزادی ملنے کے بعد تقریباً ۱۹۶۰ء میں موضع ''گلرہا''، لمبنی (نیپال) میں ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد ڈالی جو آج اس علاقہ میں درس وتدریس نیز دعوت وتبلیغ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہوئے مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم سلفیہ کے نام سے موسوم ہے، مولانا موصوف نے ۱۹۷۱ء میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر ۱۹۷۲ء میں وفات پائی۔

(۸۷)

مولانا محمد عباس بونڈیہار (گونڈہ)

بروایت مولانا محمد اقبال رحمانی: ’’آپ بونڈیہار کے رہنے والے تھے مولانا محمد یٰسین سے پڑھا اور مدرسہ میاں صاحب سے فراغت حاصل کی، کچھ دنوں بونڈیہار میں پڑھایا پھر تجارت میں لگ گئے، آپ کی ایک صفت حق گوئی کی لوگ تعریفیں کرتے ہیں۔‘‘

(۸۸)

مولانا محمد عمر انتری بازار (بستی)

نام محمد عمر بن عدالت ہے اور مولد و مسکن انتری بازار (متصل شہرت گڑھ) ابتدائی تعلیم انتری بازار میں ہوئی۔

عرصہ سے موضع گلرہا نزد تلشی پور گونڈہ میں ایک عربی ادارہ قائم کر رکھا ہے اور بڑے جوش و ولولہ اور ہمت و پامردی سے چلا رہے ہیں، علم کم ہے مگر اہل علم کی قدر کرتے اور علم دین کی خدمت میں پوری کوشش کرتے ہیں۔

(۸۹)

مولانا محمد عمر سیکھر پور (گونڈہ)

والد کا نام محمد موسیٰ وطن سیکھر پور ضلع گونڈہ ہے مگر مستقل اوقات بلرام پور میں رہتے ہیں، ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ احمدیہ بلرام پور میں مولانا عبدالحفیظ صاحب سے حاصل کی، پھر مدرسہ ضیاء العلوم تلی بازار کانپور اور جامع العلوم پٹکا پور کانپور میں مولانا عبدالستار معقولی کانپوری سے پڑھا، مولانا محمد عثمان اعظم گڑھی سے بقیہ تعلیم حاصل کی،

مولانا اشرف علی تھانوی سے جامع العلوم میں استفادہ کیا پھر کتب احادیث مدرسہ نذیریہ دہلی میں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، اس وقت کے اساتذہ میں مولانا ابوالحسن، مولانا محمد یونس پرتاپ گڑھی اور مولانا شرف الدین ابوسعید قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد مدرسہ مصباح العلوم بلرام پور میں پڑھانے لگے ساتھ ہی مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی اٹھالی، آل انڈیا اہل حدیث کے سرگرم رکن اور مسلک کی ترویج میں ایک مخلص داعی کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں، مجلسوں میں صدارت آپ ہی کے سپرد ہوتی ہے، بلرام پور کے بعض معترضین کے جواب میں اہل حدیث کے امتیازی مسائل کو مدلل کر کے ایک رسالہ تحریر کیا تھا محتاجی کی وجہ سے شائع نہیں کر سکے اور لوگ اسے مانگ کر پڑھنے کے لیے لے جاتے رہے، اس طرح وہ چیز ضائع ہوگئی اس کا نام تھا "سوط المبتدعین" المعروف "بدرۃ عمر" اسے ناظرین نے بہت پسند کیا تھا، آپ طبیب بھی ہیں، طبابت میں حکیم اجمل کے شاگرد حکیم محمد اسماعیل سے تلمذ تھے، طبابت اور مکانات کے کرایہ سے گزر بسر کرتے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

(۹۰)

مولانا محمد یٰسین بانسی (بستی)

ماسٹر عزیز الحق صاحب روایت کرتے ہیں: "آپ نرکھٹا بانسی میں پیدا ہوئے اور علوم دینیہ کی تکمیل کی سند فراغت حاصل کرنے کے بعد کسی یونیورسٹی سے فاضل کا امتحان بھی پاس کیا، نرکھٹا میں جامع مسجد کے امام تھے، علم بڑا اچھا تھا، آریہ سماجیوں کی کتابوں سے بڑی دلچسپی تھی، آریوں کے رسالے برابر منگاتے اور مطالعہ کرتے تھے آپ کا کتب خانہ بڑا اچھا تھا، لیکن افسوس کہ ضائع ہوگیا، مجنوں مکرانوی آپ کے لڑکے

ہیں، یہ اچھے شاعر تھے، جب مجنوں کا انتقال ہوا تو گھر بار تباہ ہوگیا اور اب خاندان میں کوئی نہیں ہے، مولانا محمد یٰسین صاحب کا انتقال دِق کے عارضہ میں ۴۶۔۱۹۴۵ء میں ہوا اور بانسی میں مدفون ہوئے۔

(۹۱)

مولانا محمد یٰسین بونڈیہار (گونڈہ)

(بروایت مولانا محمد اقبال صاحب بونڈیہار)

بونڈیہار ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اور مولانا عبدالسلام مبارکپوری سے بونڈیہار میں حاصل کی، اساتذہ میں حکیم محمد سلیمان صاحب مئوی بھی ہیں، فیض عام سے ۱۳۴۵ء میں فراغت حاصل کی، پھر وہاجیہ کالج لکھنو سے طب کی تکمیل کی، بعد میں بونڈیہار میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۹۳۹ء سے پہلے تقریباً ۱۸۔۲۰ سال تک بونڈیہار میں پڑھاتے رہے، اس وقت وہاں چوتھی جماعت تک کی تعلیم ہوتی تھی، فارسی میں آپ کو کمال دسترس حاصل تھا، مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریس سے پہلے کچھ دنوں بھٹ پرا کے مدرسہ مفتاح العلوم میں بھی پڑھایا، آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا شکراللہ سمرہنوئی گونڈوی، مولانا محمد حنیف ہاتف، مولانا عبدالشکور دورصدیقی، مولانا محمد خلیل رحمانی اور مولانا عبدالرحیم رحمانی حسن پوری وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے، وعظ وتبلیغ کا ملکہ تھا تقریر میں بڑی تاثیر ہوتی تھی، اخلاق وکردار بڑا بلند تھا، دین کی خاطر اپنی کسی چیز کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے، وفات غالباً ۱۳۹۷ء میں لگ بھگ (۸۰) سال کی عمر میں ہوئی۔

(۹۲)

مولانا محمد یونس بونڈ یہار (گونڈہ)

آپ بونڈ یہار کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم بونڈ یہار میں پائی پھر سہارنپور میں پڑھتے رہے مگر تکمیل نہیں کی البتہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری سے اجازت نامہ حاصل کرلیا تھا، آپ نے اللہ نگر (گونڈہ) اوسان کوئیاں (بستی) یوسف پور (بستی) بھلوہیا (گونڈہ) اور جے نگرا (گونڈہ) وغیرہ میں تاحیات درس وتدریس کا کام کیا، تقریباً (۹۰) نوے سال کی عمر میں لگ بھگ ۶۷-۱۹۶۶ء میں انتقال کیا۔

مولانا اقبال رحمانی کا بیان ہے کہ ''آپ مولانا محمد یٰسین سے عمر میں بڑے تھے اور بڑے عابد وزاہد اور ذاکرین میں سے تھے۔''

(۹۳)

مخدوم پنچ ہرہٹہ (گونڈہ)

مولانا عبدالغفور بسکو ہری گونڈہ کے علماء میں سے مولانا اظہر مولانا احمد علی اور حاجی عبدالجبار سرمہ دانی والے (گنور یا ریاست بلرام پور) کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''متذکرہ بالا مقدس ہستیوں کی جان توڑ کوشش کی وجہ سے علاقہ میں خوب دینداری پھیلی، چاروں طرف دیندار ہی دیندار نظر آنے لگے، خصوصاً مخدوم پنچ صاحب ساکن ہرہٹہ ضلع گونڈہ پر دینداری کا وہ رنگ چڑھا کہ علاوہ گردونواح کے دور دراز مقامات پر بھی مخدوم پنچ کا نام روشن ہوگیا، اپنے اور اپنے بچوں کی شکل وصورت اور شادی وغیرہ میں سنت کی پوری پابندی کرتے تھے، مجال نہ تھی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی خلاف سنت کوئی کام کرسکتا، جود وسخا میں وہ یکتائے زمانہ تھے کہ اپنے وقت میں

اپنی نظیر خود تھے، باوجود مالداری کے نہایت درجہ غریب آشنا تھے، آپ کا جودوسخا دور دراز تک مشہور ہوگیا تھا، رحمہ اللہ۔ [1]

مولانا محمد اسحاق رحمانی گونڈی کا بیان ہے کہ ’’آپ بڑے بزرگ تھے، مولانا اظہر صاحب سے بیعت تھے، مولانا اظہر نے بتایا تھا کہ کافروں کو سلام نہیں کرنا چاہیے اس اصول کی پابندی میں آپ نے ریاست بلرام پور کے راجہ سے صاف کہہ دیا کہ میں نے ایک پیر بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ راجہ کافر ہے اور کافروں کو سلام نہیں کرنا چاہیے، اس لیے میں تمہیں سلام نہیں کروں گا--- بلرام پور کی چکنی مسجد میں مولانا محمد عمر سیکھر پوری امامت وخطابت کرتے چلے آئے ہیں آپ ہی کی بنوائی ہوئی ہے، جس کا واقعہ اہل ثروت کے لیے لمحۂ فکریہ اور درس عبرت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ ہاتھی خریدنے جارہے تھے لیکن بلرام پور پہنچے اور اس سے مسجد بنوادیا اور ہاتھی خریدنے نہیں گئے، جب ان سے ہاتھی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ بلرام پور میں باندھ کر آیا ہوں۔‘‘

(۹۴)

مولانا مصاحب علی اونرہوا (گونڈہ)

آپ اچھے بڑے عالم تھے کہیں باہر سے تشریف لائے اور اونرہوا میں اقامت گزیں ہوگئے، مولانا اللہ بخش سے آپ کا تلمذ برائے ابتدائی درجات ثابت ہے، پہلے گاؤں کے اندر مدرسہ تھا آپ اس میں پڑھاتے تھے، تعلیم ہمیشہ ابتدائی دینیات ہی تک محدود رہی مگر مطالعہ وسیع تھا اور کتب دینیہ کا بیش بہا ذخیرہ بھی جمع کر رکھا تھا، آپ کے انتقال کے بعد ان کتابوں کے وارث آپ کے ایک بھائی ہوئے، جو پڑھے لکھے نہ تھے

(۱) اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۳ر رمضان ۱۳۴۶ھ

اور مقروض تھے قرض خواہ پیسوں کے عوض کتابیں لے گیا اور پھر وہ سب ضائع ہوگئیں۔
انھیں میں سے ایک کتاب سنن ابن ماجہ بڑھنی بازار (ریلوے اسٹیشن) میں ایک مہاجن کے پاس ملی جسے پھاڑ پھاڑ کر وہ سودے بیچتا تھا، آپ کا انتقال اونرہوا میں تقریبا ۱۹۲۰ء کے بعد ہوا۔

(۹۵)

مولانا حکیم مقبول احمد جھنڈانگر (نیپال)

آپ ایک تجربہ کار حکیم مخلص عالم دین اور مسلکی غیرت رکھنے والے نیپال کے معزز فرد تھے، آپ کے والد محمد یوسف صاحب (جو خود بھی عالم دین تھے) نے آپ کو پانچ چھ سال کی عمر میں مولانا محمد منیر خاں بنارسی کے حوالے کر دیا تاکہ وہ بنارس جا کر مولانا کی خدمت میں رہیں اور دینی علم حاصل کریں، چنانچہ آپ کو مولانا منیر خاں صاحب نے جامعہ رحمانیہ میں تعلیم دینی شروع کر دی، مقبول احمد صاحب نے عربی کی تعلیم جامعہ رحمانیہ (بنارس) میں مکمل کر لی، فراغت کے بعد مولانا کی خدمت میں دو سال مزید رہ کر طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تیاری کی اور پھر طبیہ کالج لکھنؤ میں داخل ہوگئے، جب کورس کی تعلیم حاصل کر لی تو کچھ دنوں جھوائی ٹولہ میں پریکٹس کرتے رہے، پھر ضلع میں آکر بڑھنی بازار متصل سیورا نامی مقام پر پریکٹس شروع کی، پھر بڑھنی اور جھنڈانگر میں دواخانہ کھولا اور اخیر عمر تک یہیں رہ کر علاج و معالجہ کرتے رہے، آپ نے پچاس پچپن سالہ پریکٹس میں بڑی زبردست مہارت حاصل کر لی تھی، گونڈہ، بہرائچ، بستی، گورکھپور، فیض آباد اور بنارس تک کے لوگ آپ کے تجربوں سے صحت یاب ہوئے، بلکہ میرے سامنے کی بات ہے کہ ابھی جلد ہی گجرات کے ایک آدمی حکیم صاحب کے پاس جھنڈانگر پہنچے اور تندرست ہو کر لوٹے، بنارس کے لوگوں

سے گہرے تعلقات تھے، آپ مولانا محمد منیر صاحب کو جب بھی بلاتے ضرور تشریف لاتے تھے، مرحوم بڑے با اخلاق مخلص اور مسلکی درد رکھنے والے انسان تھے، بڑے متقی اور پرہیز گار تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین!

آپ کا انتقال ۲۵/ اپریل ۱۹۷۸ء کو جھنڈا نگر میں ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔

(۹۶)

مولانا ممتاز علی کُرتھی ڈیہہ (بستی)

آپ کے والد کا نام حسن علی تھا، آپ نے ابتدائی تعلیم کافی عمر ہو جانے کے بعد مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی سرپرستی میں حاصل کی، پھر ندوہ گئے اور مولانا حفیظ اللہ بندوی اعظم گڑھی (۷/۱۲/۶۲ ۱۳ھ) وغیرہ سے حدیث وغیرہ پڑھی، آپ کا خاندان مسلک سنت سے ہٹا ہوا تھا'' فراغت سے پہلے ہی آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنے آبائی مسلک کو خیر باد کہہ کر مسلک اہل حدیث اختیار فرمایا، بلکہ سنت نبویہ کے پرجوش حامی اور سرگرم مبلغ بن گئے اور اپنے احباب کو عقیدۂ سلف کی دعوت دینے لگے، آپ کا آبائی وطن بستی کا جنوبی علاقہ تھا، بعد میں آپ کے والد کسمہی میں آباد ہوئے اور مولانا نے ندوہ سے فراغت کے بعد موضع کرتھی ڈیہہ میں سکونت اختیار کر لی، یہ علاقہ مسلمانوں کی کثرت تعداد کے اعتبار سے مشہور ہے، آپ نے اسی علاقہ کو اپنی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، یہاں کے مسلمانوں کی دینی زبوں حالی اور شرک وبدعت کی گرم بازاری دیکھ کر آپ شعلہ جوالہ کی طرح میدان تبلیغ واصلاح میں متحرک ہو گئے، آپ نے وعظ وتقریر کو اپنی تبلیغ کا ذریعہ بنایا، بغیر کسی دعوت اور بلاوا کے مختلف جگہوں پر پہنچتے اور لوگوں کو عمل بالکتاب والسنۃ کی دعوت دیتے، حرکت ونشاط کا یہ عالم ہوتا کہ ایک ایک رات میں کئی کئی جگہ تقریریں کرتے، ہندوستان کے بہت سے

علاقوں کی طرح یہ خطۂ زمین بھی گوناں گوں بدعات وخرافات اورطرح طرح کی رسوم بدکا شکار تھا، پیر پرستی، تعزیہ پرستی نذر ونیاز اور فاتحہ کا عام رواج تھا، جاہل اور خودغرض پیروں نے پورے علاقے کو اپنے چنگل میں پھانس کرر کھا تھا، شعائرِاسلام اور دینی ارکان نماز روزہ، حج عشر وزکوٰۃ وغیرہ سے لوگ کوسوں دور تھے، مگر آپ کی مخلصانہ دعوت وارشاد کا نمایاں اثر ظاہر ہوااورلوگ اسلامی احکام کو جاننے اوران پرعمل کرنے لگے، دعوت وارشاد کے راستے میں آپ کو کافی وقت تک ﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ کے قرآنی اصول پر بھی عمل پیرا رہنا پڑا، چنانچہ بارہا قبوریوں اورجھوٹے پیروں سے مناظرہ اوربحثیں ہوئیں مگر میدان ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہااور ہرمجلس میں کچھ نہ کچھ لوگ آپ کے ہاتھوں پراللہ اوررسول کی اطاعت کے لیے بیعت کرتے رہے، آپ کے دل میں امت مسلمہ کی ہدایت کے لیے بہت زیادہ درد وکسک پنہاں تھی۔

دین کی تبلیغ اور عامۃ المسلمین کی اصلاح کو آپ نے اپنا اوڑھنا بچھونا اورزندگی کا عظیم مقصد بنایا تھا، اس لیے آپ نے ملازمت کرنی گوارہ نہ کی تاکہ آزادی کے ساتھ اپنی تبلیغی واصلاحی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں، تبلیغ واصلاح کے راستے میں بارہا آپ کو جانی خطرات سے بھی دوچار ہونا پڑا مگر آپ نے اس کی چنداں پروانہ کی اوردین کی خاطر کسی خطرہ کو بھی خاطر میں نہ لائے اور جب بھی موقع آیا مخالفین سنت کو بڑی جواں مردی سے للکارا، آپ کی تبلیغ کے اثر سے پورا علاقہ توحید وسنت کی صداؤں سے گونج اٹھا اور ہر چہار سو اسلام کا چرچا ہونے لگا، آپ کے مواعظ میں ایسی شرینی اورلذت ہوتی کہ لوگ ہمہ تن گوش ہوکر گھنٹوں سنتے رہتے، پھربھی ان کی پیاس نہ بجھتی، اثر اندازی کا یہ عالم ہوتا کہ ''از دل خیزد و بردل ریزد'' کا سماں نظر آتا، وعظ کہتے وقت خود روتے اور سامعین کوبھی رلاتے، یہاں تک کہ روتے روتے بہتوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں، نماز فجر کے بعد آپ درس قرآن یا درس حدیث کا اہتمام فرماتے، لوگ دوردراز سے آپ کا خطبۂ جمعہ سننے کے لیے آیا کرتے تھے،

چند سالوں تک اپنے یہاں کچھ طلبہ کو جلالین ومشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کا درس بھی دیا اور کچھ دنوں تک مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں مسند صدارت کو زینت بخشی۔

آپ کی طبیعت میں بہت زیادہ استغناء تھا، چناں چہ دین کی ساری خدمات آپ نے بغیر کسی دنیاوی معاوضہ کے انجام دیں، ذاتی غرض کے لیے کبھی کسی دولت مند یا امیر کے یہاں تشریف لے گئے نہ اپنی کوئی ضرورت کسی سے بیان کی، آپ کی زندگی ریا و نمود اور دکھاوے سے پاک وصاف تھی، آپ خلوص وللّٰہیت کے پیکر تھے، مریدین اور عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، اگر آپ چاہتے تو اپنے لیے بہت ساری دولت وثروت اکٹھا کر لیتے مگر آپ نے کسی ارادت مند سے کوئی نذرانہ یا رقم قبول نہ کی اور ہمیشہ فقیرانہ زندگی بسر کی، طبیعت کے استغناء نے آپ کو فکر معاش سے بے پروا رکھا، دنیا سے بے رغبتی اور درویشانہ زندگی کے باوجود تصوف کے باطل وخلاف شرع عقائد ونظریات پیری ومریدی کی بھول بھلیوں سے آپ کو سخت نفرت تھی، مسلک سلف سے گہری محبت وعقیدت تھی، سنت رسول کے لیے غیرت وحمیت آپ کی رگ وپے میں بسی ہوئی تھی، ہمیشہ توحید خالص اور عقیدۂ سلف کی دعوت اور اطاعت رسول کی ترغیب دیتے، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں مرتاض تھے، خشوع وخضوع اور تضرع وابتہال اور انابت الی اللہ میں اپنی مثال آپ تھے، سردی ہو یا گرمی خشکی کے دن ہوں یا برسات ہمیشہ آپ صلاۃ پنج گانہ باجماعت مسجد میں ادا فرماتے آپ کا گاؤں کسی قدر نشیبی حصہ میں واقع ہے، برسات میں مسجد کا راستہ اتنا خراب ہوتا کہ گھٹنوں پانی میں اتر جانا پڑتا تھا، مگر پابندی کے ساتھ آپ مسجد جایا کرتے، نماز تہجد کی سختی سے پابندی کرتے، آپ اللہ کے ان نیک بندوں میں سے تھے جنھیں دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے، آپ کی باتوں سے روحانی تازگی اور ایمانی بالیدگی نصیب ہوتی اور دل میں عمل صالح کا داعیہ ابھرتا۔

اپنے پورے علاقہ میں آپ کا اتنا زیادہ اثر تھا کہ لوگ اپنے اختلافات میں آپ کو

حکم مان کر فیصلے لیتے، آپ ہمیشہ مسلمانوں کو متفق رکھنے کی کوشش کرتے اور آپس کے اختلافات رفع کروانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے، بہت سے غیر مسلموں پر بھی آپ کا گہرا اثر تھا اور بہت سے ہندو بھی آپ سے ملنے آیا کرتے تھے، اپنے اثر ورسوخ اور دلوں پر چھائی ہوئی ہیبت کے ذریعہ آپ نے بارہا مسلمانوں کو شر وفساد سے بچایا بھی، پیراؤں وجہراؤں کے حشر خیز ولرزہ براندام فساد کے بعد جس کی تفصیل اس وقت کے جماعتی اور غیر جماعتی اخبارات میں آچکی ہے، کچھ شر پسندوں نے بعض مسلم ایریا کو لوٹنے اور جلانے کا منصوبہ بنایا، آپ کو کسی طرح اس کی اطلاع ہوئی تو ان شر پسندوں کے پاس یہ پیغام پہنچایا کہ میں نے اپنے رفقاء اور حلقۂ اثر کے لوگوں کو جان کی بازی لگادینے اور آخری دم تک مسلمانوں کی حفاظت کے لیے تیار کرلیا ہے، جن میں ایک معتدبہ تعداد بندوق رکھنے والوں کی ہے، اس لیے کوئی ذلیل حرکت کرنے سے پہلے تم اس کا انجام سوچ لو، آپ کی اس دھمکی کا اتنا اثر ہوا کہ شر پسند اپنے ناپاک ارادوں سے باز رہے، آپ کے ہاتھ پر بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

آپ کا ایک عظیم کارنامہ قیام مدارس اور تعمیر مساجد بھی ہے، آپ کے تبلیغی اثر سے پورے علاقہ میں مساجد کا جال بچھ گیا، آپ کے قائم کردہ مدارس میں سے بعض میں فراغت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، آپ کی خدمت میں جب کوئی ارادت مند کچھ رقم لے کر حاضر ہوتا تو اسے قبول نہ کرتے اور مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنے کی ترغیب دیتے، ایسے بہت سے مواضعات کا نام لیا جاسکتا ہے، جہاں مسلمانوں کو اذان کہنے اور نماز پڑھنے کی آزادی نہ تھی، مگر آپ کی اور آپ کے رفقاء کی جرأت وہمت کا ثمرہ ہے جو آج وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

زندگی کے آخری چند سال آپ نے عزلت میں گزارے، کبرسنی کی وجہ سے جلسوں میں جانے اور تقریر کرنے سے مجبور ہوگئے، ضعف ونقاہت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا اور باتیں کرنی کم کردی تھیں، آپ کا زیادہ وقت قرآن مجید کی تلاوت میں خرچ

ہوتا، ان دنوں فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ہے کہ اس پیرانہ سالی میں جب کہ اکثر اعضاء جسم جواب دے چکے ہیں، بینائی کو سلامت رکھا اور اپنی کتاب کی تلاوت سے محروم نہ کیا، معتقدین کی تعجب خیز کثرت کے باوجود زندگی کے بیشتر ایام چھپر کے مکان میں گزار دیے اور دنیا کے عارضی آرام و راحت کو آخرت کی سرمدی زندگی پر قربان کر دیا۔ [۱]

آپ کا انتقال ۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ مطابق یکم فروری ۱۹۷۳ء میں تقریباً اسی سال کی عمر میں ہوا، نوشہروی صاحب فرماتے ہیں ''الہ آباد یونیورسٹی سے امتحان فاضل ادب بھی پاس کیا، تبلیغ توحید و سنت شعار ہے، قصبہ ہلور میں امامیہ (اثنا عشریہ) کی کثرت ہے مگر آپ کی تذکیر سے بے شمار امامیہ حلقۂ اہل سنت میں داخل ہو گئے، یہی نہیں بلکہ کئی امام باڑے مسجدوں کے شکل میں منتقل ہوئے، کئی مندر بھی فرزندانِ اسلام کی عبادت گاہ بن گئے، طبیعت مناظرانہ ہے مگر زہد و تقویٰ میں بھی بے مثال ہیں، تقویٰ کی وجہ سے حکام ضلع بھی احترام کرتے ہیں۔'' [۲]

(۹۷)

مولانا مولا بخش اوسان کوئیاں (بستی)

نام مولا بخش مولد و مسکن اوسان کوئیاں، ابتدائی تا انتہائی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں حاصل کی، اہم اساتذہ میں مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا محمد دین محدث پنجابی اور مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ کا نام آتا ہے، آپ قرب و جوار میں دینی خدمات انجام دیتے رہے، ایک کتابچہ ''البیان العجیب'' لکھا اور شائع کیا یہ سانڈ کی حلت کے سلسلے میں تھا، آپ نے حلت ثابت کی تھی کیوں کہ کچھ لوگ سانڈ کے گوشت کی حرمت کا فتویٰ دیتے تھے۔

(۱) ماخوذ از ترجمان یکم مارچ ۱۹۷۳ء نوشتہ مولانا عبدالرحمٰن مدنی پیر گڈی۔
(۲) تراجم علماء اہل حدیث ہند ص: ۴۶۹۔

ن

(۹۸)

مولانا نور اللہ پپرا بھوج (بستی)

(بروایت مولانا عبدالغفار مڑلاوی بن مولانا نور اللہ)

آپ کرہی کے رہنے والے تھے، بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، ابتدائی تعلیم کرہی کے مدرسہ میں حاصل کی، فارسی کی تعلیم کسی میاں صاحب سے یہیں حاصل کی، پھر عربی پڑھنے کا شوق ہوا، مولانا جعفر علی نقوی کے اشارے پر مولانا محمد اسحاق بانسوی سے عربی پڑھنے بانسی آ گئے، مگر مولانا اسحاق صاحب بہت کمزور ہو چکے تھے صرف دو تین ماہ آپ سے استفادہ ہو سکا۔

مرکوز تعلیم کا ارادہ پختہ تھا، اس لیے علاقے میں کسی اچھے عالم کی تلاش جاری رہی، مولانا عباد اللہ کے بارے میں معلوم ہوا تو یوسف پور کا رخ کیا، مولانا اس زمانے میں پڑھاتے تھے، دو سال آپ سے پڑھا، پھر دہلی پہنچے اور مدرسہ عالیہ فتح پوری میں مولانا عبدالغنی مجددی سے فنون کی کتابیں پڑھیں، پھر میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث و تفسیر پڑھی۔

دہلی سے یوسف پور واپسی کے بعد مولانا عباد اللہ صاحب نے اہل قریہ سے آپ کے فارغ ہو کر واپس آنے کا ذکر کیا اور اپیل کی کہ انھیں بچوں کی تعلیم کے لیے مدرس رکھ لیا جائے، سب لوگ راضی ہو گئے، ابتداء میں مولانا عباد اللہ کی گھاری (بیل خانہ) میں پڑھاتے رہے پھر گاؤں سے باہر مدرسہ کے موجودہ محل وقوع پر علاقے کے انگریز

حاکم سے جگہ ملی اور وہیں تعلیم ہوتی رہی، مولانا کافی عرصہ تک مدرسہ میں پڑھاتے رہے، آپ نے پاس کے پپرا نامی گاؤں میں سکونت اختیار کرلی تھی، مدرسہ سے علیحدگی کے بعد تادم حیات تبلیغ دین میں لگے رہے، مولانا عباداللہ صاحب کے کتب خانہ کے بعد آپ کے کتب خانہ کی کافی وقعت واہمیت تھی۔

آپ صوفی منش تھے، بڑی پاک اور اچھی زندگی تھی، اتباع سنت کا جوش وجذبہ تھا جس کی تبلیغ میں بھی وہی رنگ تھا، بڑے بااخلاق اور ہردلعزیز بزرگ تھے، آپ کے دولڑکے تھے ایک کا نام تھا عبدالمجید جنھوں نے علم دین کی تحصیل کے ساتھ علم طب میں بھی مہارت حاصل کی تھی اور اسے ذریعہ معاش بھی بنایا تھا، دوسرے کا نام ہے عبدالغفار، جنھوں نے مقام ''مڑلا'' (نزد بجہیا بازار) میں سکونت اختیار کرلی ہے۔

مولانا نوراللہ کے تلامذہ میں مولانا احمد حسین (جن کو مولانا عبدالرحیم حسن پوری کی روایت میں محمد حسین کہا گیا ہے اور دونوں (مولانا عبدالغفار اور مولانا حسن پوری) کی روایتوں میں میاں صاحب کا شاگرد بتایا گیا ہے) مولانا محمد سلیمان (مہسرؤ، لمبنی نیپال) مولانا سعدی (مہسرؤ، نیپال) مولانا شمس الحق (مہسرؤ، نیپال) مولانا عبدالصمد ٹھاکر پوری مولانا جان محمد (اوسان کوئیاں) اور میاں علی رضا پھلوریاوی وغیرہ آتے ہیں۔

آپ کی وفات کو اس وقت (۱۹۸۳ء میں) تقریباً پچاس سال ہوچکے ہوں گے۔

۞۞۞

و

(۹۹)

مولانا وصی اللہ پرابھوج (بستی)

نام وصی اللہ والد کا نام محمد عباس، مولد ومسکن پرابھوج ضلع بستی ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی، جامعہ رحمانیہ میں عربی کی تعلیم تکمیل کے مراحل میں تھی کہ آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ بھیجنے کے لیے منتخب کرلیا گیا، غالبًا ۱۹۶۶ء میں آپ مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عبدالسلام ٹکریاوی اور مولانا عبدالرحمٰن (پرگڈی) کے ساتھ مدینہ پہنچے، غالبا ایک سال شعبۃ اللغۃ میں پڑھ کر امتیازی نمبرات سے بی. اے. کی سند حاصل کی، انھیں دنوں مکہ میں دراسات علیا (ایم. اے) کا شعبہ کھل چکا تھا، آپ اس کے قسم السنہ میں داخلہ لینے میں کامیاب ہوگئے، ایم. اے کرتے ہوئے آپ نے درج ذیل علمی وتحقیقی خدمات انجام دیں:

(۱) الضعفاء والمجهولون فی سنن النسائی (۲) فضائل الصحابه للإمام أحمد[۱] (۳) العمدة فی تاریخ البلدة (مكة) (۴) تحقیق اخبار مكة للأزرقی وتخریج أحادیثه (۵) تحقیق عقود الجمان فی جواز تعلیم الكتابة للنسوان للدیانوی (۶) تحقیق الكلام فی وجوب قرأة الفاتحة خلف الإمام للمباركفوری (عربی ترجمه) (۷) تحقیق كتاب العلل للإمام أحمد.

(۱) یہ کتاب آپ کی تحقیق کے ساتھ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ (مرکز البحث العلمی) سے شائع ہوچکی ہے۔

مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران آپ کے تعلقات امام حرم شیخ محمد بن سبیل سے کافی گہرے ہوتے گئے، آپ کو معہد المسجد الحرام کا مدرس مقرر کیا گیا اور تا دم تحریر (ستمبر ۱۹۸۳ء) آپ مکہ میں معہد مذکور کے مدرس ہیں، جامعہ ام القریٰ میں مدرسی کے لیے ارباب جامعہ کوشش کر رہے تھے مگر ذمہ داران معہد آپ کو بھیجنے پر راضی نہیں تھے۔

آپ کی علمی صلاحیت زبردست اور حدیث کا مطالعہ کافی وسیع ہے، علوم حدیث خصوصاً رجال پر گہری نظر رکھتے ہیں، طرز تحریر صاف وشُشتہ ہے، خلیق متواضع پرہیزگار اور نہایت سنجیدہ اور سلجھے ہوئے آدمی ہیں، بال بچوں کے ساتھ اکثر مکہ میں قیام رہتا ہے اس وقت عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔

(۱۰۰)

چودھری ولی محمد لموئیا (گونڈہ)

(بروایت مولانا عبدالمعید گونڈوی)

انیسویں صدی کے اخیر اور بیسویں صدی کے چار پانچ دہے تک ملک ولی محمد چودھری لموئیا ضلع گونڈہ کی ضلع بستی و گونڈہ کی تین چار تحصیلوں میں دھوم مچی تھی، خلاق عالم کی کارسازی کہ اقتصادی بحران سے دوچار ایک خاندان کو ایسا نوازتا ہے کہ اپنے علاقہ کا عدیم المثال انسان بن جاتا ہے، ان کے خاندان کے عروج وارتقاء کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ غالباً مولانا اظہر صاحب ان کے گاؤں دعوت وتبلیغ کے لیے تشریف لے گئے غالباً ملک صاحب کے دادا تھے، انھوں نے مولانا کو دعوت دی مولانا نے ان کی دعوت قبول کر لی، بعد میں معلوم ہوا میزبان سودخور ہے، آپ نے دعوت کھانے سے انکار کر دیا، ملک صاحب کے دادا نے عرض کیا آپ دعوت کھالیں ہم

آج سے سودخوری چھوڑتے ہیں، مولانا نے دعوت کھائی اور رات کو اٹھ کر تہجد میں میزبان کے لیے بارگاہ رب العزت میں رورو کے دعا کی کہ انھیں اتنا مال و دولت ملے کہ ان کے سنبھالے نہ سنبھلے، چنانچہ ایسے ہی ہوا تیسری پشت تک پہنچتے پہنچتے باون گاؤں کے زمیندار بن گئے۔

انھوں نے اپنی دولت سے امیروں، غریبوں اور علماء سب کو مستفید کیا، کئی مدارس کے ذمہ دار رہے، بونڈیہار مدرسہ کے دوسرے مرحلہ کی تعمیر انھیں کی عنایات کی مرہون منت ہے، بسکوہر جو بڑا ہی مردم خیز قصبہ تھا اور دینی پیاس بجھانے کا سرچشمہ وہیں تھا، اس کی بھی کفالت وہی کرتے تھے، اس کے علاوہ دیگر مکاتب و مساجد کا انتظام وانصرام بھی کرتے تھے۔

تقسیم ہند کے موقع پر خاندان کے بیشتر افراد پاکستان ہجرت کر گئے، سننے میں آتا ہے کہ بعض افراد اب بھی ضلع گونڈہ میں پائے جاتے ہیں جو ناخلف ہیں۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث، ضلع سدھارتھ نگر
مختصر تعارف، سرگرمیاں، خصوصیات وامتیازات، عزائم اور ضروریات

ضلعی جمعیت اہل حدیث، سدھارتھ نگر یوپی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی ایک ذیلی شاخ ہے، جو پورے ضلع میں جمعیت کے اہداف ومقاصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہے اور اپنے محدود وسائل کے ساتھ جماعت کی تعلیمی، دعوتی اور تنظیمی امور کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جمعیت مندرجہ ذیل میدانوں میں سرگرم ہے:

ا۔ دعوتی سرگرمیاں:

۞ جمعیت نے دعوتی عمل کو سہل اور آسان بنانے کے لیے پورے ضلع کو (۷) حلقوں میں تقسیم کردیا ہے، ہر حلقہ اپنے اپنے دائرہ میں دعوتی کام کرتا ہے، ضلعی جمعیت کی سہ ماہی میٹنگوں میں حلقہ واری جمعیات کی دعوتی کارکردگی کا جائزہ پیش ہوتا ہے اور بہ وقت ضرورت جمعیت اپنی طرف سے امراء ونظمائے حلقہ کو ہدایات جاری کرتی ہے۔

۞ سالانہ دعوتی کانفرنس، علمی سیمینار اور حلقہ واری اور مقامی سطح پر دعوتی پروگراموں کا انعقاد۔

۞ مساجد میں قرآن وحدیث کے دروس کا اہتمام۔

۞ باتنخواہ مبلغین کے ذریعہ گاؤں میں دعوت وتبلیغ۔

۞ دعوتی کتب ولٹریچر کی تقسیم نیز مساجد میں دروس کے لیے کتابوں (تفاسیر قرآن وشروح احادیث) کی فراہمی۔

۞ ضلع میں منعقد ہونے والے جماعت کے دعوتی پروگراموں کی سرپرستی اور رہنمائی۔

۲۔ تعلیمی سرگرمیاں:

۞ ضلعی جمعیت اہل حدیث، سدھارتھ نگر ضلع کے اہل حدیث مکاتب کی اخلاقی سرپرستی کرتی ہے اور تعلیم وتربیت کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے ان کی ہر ممکن رہنمائی کرتی ہے، ان اہداف کو پانے کے لیے جمعیت مندرجہ ذیل خدمات انجام دے رہی ہے۔

۞ ضلع کے ملحق تقریباً پانچ سو (۵۰۰) مکاتب ومدارس کی تنظیمی اور اخلاقی سرپرستی۔

۞ جمعیت کے ارگنائزرس کے ذریعہ ضلع کے ملحق مکاتب ومدارس کا تعلیمی وتربیتی معائنہ۔

۞ پورے ضلع میں مکاتب کی تعلیمی حالت کو بہتر بنانے کے لیے تعلیمی کنونشن اور ٹیچر ٹریننگ پروگرام کا انعقاد۔

۞ نظمائے مدارس سے رابطہ کر کے تعلیم میں بہتری لانے کی ہر ممکن کوشش۔

۞ بچوں کے اندر تعلیمی جذبہ ابھارنے اور ان کی صلاحیت اجاگر کرنے کے لیے تعلیمی مظاہروں ومسابقوں کا اہتمام۔

۞ مدارس کے طلبہ میں جوش وولولہ پیدا کرنے کے لیے حفظ قرآن کریم وتجوید اور حفظ احادیث وغیرہ کے مسابقات کا اہتمام۔

۞ مکاتب کے اساتذہ کی تدریسی صلاحیت میں اضافہ کی غرض سے گاہے بگاہے امکانیات کے مطابق ٹیچر ٹریننگ پروگرام کا اہتمام۔

۞ تعلیمی بیداری لانے کے مقصد سے مدارس ومکاتب کے ذمہ داران کو تبادلۂ خیالات کی دعوت۔

۳۔ تنظیمی عمل:

۞ پورے ضلع میں تقریباً سوا تین لاکھ سے زائد سلفی اخوان کو جوڑنے کے لئے مقامی طور پر جمعیت سازی۔

۞ ضلع کے تمام اہل علم، اہل قلم، اہل ثروت اور ائمہ ودعاۃ کو باہم جوڑنے اور ان کے درمیان رابطہ قائم کرنے کی کوشش۔

۞ ضلع کے تمام مدارس ومساجد کی ڈائرکٹری کی تیاری۔

۞ صوبائی جمعیت اور مرکزی جمعیت کے پروگراموں اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں ہر طرح کا تعاون۔

۞ تمام حلقہ واری جمعیات ومقامی جمعیات کو منظّم وفعال بنانے کی ہر ممکن کوشش۔

۴۔تربیتی کردار:

۞ جمعیت اہل حدیث مدارس کے اساتذہ، علماء ودعاۃ اور فارغین جامعات کی تدریسی صلاحیت بڑھانے اور ان میں دعوتی اسپرٹ پیدا کرنے اور ایک دوسرے کے تجربے سے باہمی فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے تربیتی پروگرام کرتی ہے۔

۞ حساس اور اہم موضوعات پر عوام وخواص اور مدارس ومکاتب کے ذمہ داران کو تبادلۂ خیالات کی دعوت۔

۵۔رفاہی خدمات:

۞ جمعیت کی کوشش ہے کہ ضلع کے اندر موجود غرباء ومساکین کی مدد کی جائے، ایتام کی کفالت، بیواؤں کی سرپرستی اور بیماروں اور مصیبت زدہ مسلمانوں کا تعاون کیا جائے اور ناگہانی آفات کے شکار لوگوں کی غم گساری کی جائے، اس کے لیے ضلعی جمعیت کے زیر اشراف بیت المال کے قیام کا منصوبہ تیار ہے، احباب جماعت سے بھرپور تعاون کی درخواست ہے۔

۶۔خصوصیات وامتیازات:

۞ اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح۔

۞ توحید خالص کی دعوت اورامت کوشرک وبدعات سے بچانے کی کوشش۔
۞ عقائد واعمال دونوں میں اعتصام بالکتاب والسنۃ کی دعوت، اختلاف کے وقت کتاب وسنت پراعتماد وانحصار۔
۞ تمام امور ومعاملات میں اعتدال کی دعوت۔
۞ باطل افکار ونظریات کی تردیداوراسلام کے خلاف پیدا کیے گئے شکوک وشبہات کاازالہ۔
۞ قبولیت اخبار وآثار میں تحقیق وتنقیح۔
۞ انبیائے کرام اورسلف صالحین کے منہجِ دعوت کااتباع۔
۞ معاشرتی برائیوں کااستیصال۔

۞ عزائم ومنصوبے اوراہم ضروریات:

۞ دعوتی سرگرمیوں کوتیزتر کرنے کے لیےکم ازکم پانچ دعاۃ کاتقرر۔
۞ دعوت وتبلیغ کے لیے وسائل حمل ونقل کی فراہمی۔
۞ صدردفتر کی اصلاح ومرمت۔
۞ صدردفتر کے لیے کمپیوٹراورضروری دفتری سامانوں کی فراہمی۔
۞ ضلعی سطح پرمساجد ومدارس کی ڈائریکٹری کی ترتیب۔
۞ ضلعی سطح پرعلماء ودعاۃ اورخطباء کی فہرست سازی۔
۞ ضلع کی مساجد میں خطبات جمعہ کی تنظیم۔
۞ بعض اہم اورمنہجی کتابوں کی طباعت واشاعت۔
۞ رفاہی خدمات کی انجام دہی کے لیے بیت المال کاقیام۔
۞ باقاعدہ لائبریری کاقیام اوراس کے لیے کتب کی فراہمی۔

۞۞۞

تعارف و اپیل

ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے وابستہ ایک دعوتی و تعلیمی اور رفاہی تنظیم ہے، جو مشرقی یوپی کے ضلع سدھارتھ نگر کے سینکڑوں سلفی مکاتب و مدارس اسلامیہ کی سرپرستی ورہنمائی اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کے ساتھ دعوتی ورفاہی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں کتاب وسنت کی بالادستی اس کا مطمح نظر ہے۔ تنظیمی، تعلیمی اور دعوتی میدانوں میں الحمدللہ جمعیت کی کارکردگی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے پاس کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں ہے، اس کے جملہ مصارف اہل خیر کے تعاون سے پورے کیے جاتے ہیں، اس لیے مخیّرین جماعت سے گزارش ہے کہ آپ حضرات جمعیت کا فراخ دلانہ تعاون فرمائیں تاکہ جمعیت اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

محمد ابراہیم مدنی (امیر) 9450550886

وصی اللہ مدنی (ناظم) 9453117451